ساری دُنیا میں تہلکہ مچانے والا شاہکار رُومانی ناول

لیڈی چیٹرلی کا عاشق

ساری دنیا میں تہلکہ مچا دینے والا شاہکار رومانی

ناول

لیڈی چیٹرلی کا عاشق

ڈی۔ ایچ۔ لارنس

پارس پبلیکیشنز، گھوڑے کی قبر، حیدرآباد۔ ۱۲۔ آندھراپردیش

لیڈی چیٹرلی کا عاشق

مصنف : ڈی۔ایچ۔لارنس

(اردو ترجمہ : ص۔ ح۔)

ناشر : پارس پبلی کیشنز ، حیدرآباد۔ انڈیا۔

ترجمہ ص ۔ ح

قیمت تین روپے
مجلد چار روپے

لیڈی چیٹرلی کا عاشق — ڈی۔ایچ۔لارنس

فہرست

بحوالہ مضمون: دنیا کے 10 معروف ممنوعہ ناول (مصنف: مکرم نیاز)

اشاعت: سہ ماہی "اثبات" ممبئی۔(عریاں نگاری اور فحش نگاری پر مشتمل خصوصی شمارہ)

(شمارہ: 12-13 ، اپریل 2012 تا ستمبر 2012) ، مدیر: اشعر نجمی

*****

1960 کے دوران جب برطانیہ میں ناول "لیڈی چیٹرلی کا عاشق" شائع ہوا تو اس وقت کی بی۔سی رپورٹ کے مطابق، اس کی فروختگی کا ریکارڈ بائبل کی فروختگی سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔ اشاعت کے فوری بعد 2 لاکھ نسخے فروخت ہوئے اور ایک سال کے اختتام پر یہ تعداد 20 لاکھ تک جا پہنچی۔ لندن کی سب سے بڑی کتابوں کی دکان ڈبلیو۔جی۔فوئل کے مطابق ناول کے 300 نسخے تو صرف پندرہ منٹ کے اندر اندر فروخت ہوئے اور مزید 3 ہزار نسخوں کا آرڈر بھی انھیں اسی وقت حاصل ہوا۔ اس طرح یہ ناول اس دور میں اپنی مقبولیت کی اس انتہا پر جا پہنچا تھا جہاں اس کی طلب میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا تھا۔

حالاں کہ یہ وہی ناول تھا جو سب سے پہلے 1928 میں اٹلی میں جب شائع ہوا، تو برطانیہ نے اس پر فحش ہونے کے سبب پابندی عائد کر دی تھی۔ عریانی و فحاشی کے سبب اس کا داخلہ برطانیہ میں ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ البتہ حد سے زیادہ صفحات کو سنسر کیے جانے کے بعد اس کا ایک محدود تعداد کا ایڈیشن برطانیہ میں جاری ہوا۔ انسانی مخصوص اعضا کے نام اور مباشرت کے اعمال و افعال پر مبنی الفاظ، اس ایڈیشن سے حذف کر دیے گئے تھے۔ یہ ماحول اس وقت تبدیل ہوا، جب 1959 میں فحاشی سے متعلق اشاعتی قانون [Obscene Publications Act] متعارف کروایا گیا۔ اس قانون کے مطابق۔۔۔

"اگر کسی کتاب میں کچھ فحش مواد ہو مگر مجموعی طور پر اس کتاب سے سماجی معاشرتی فوائد کا حصول ممکن ہو تو ایسی کتاب بلا روک ٹوک شائع کی جا سکتی ہے۔"

مصنف کی وفات کی تیسویں برسی (1960) کے موقع پر پینگوئین بکس نے ناول کے دو لاکھ نسخے شائع کر دیے۔ اس کے باوجود اکتوبر 1960 کے بدنام زمانہ عدالتی مقدمے میں ناشر کو طلب کر لیا گیا۔ وکیل دفاع مائیکل روبنسٹین نے نہایت ہوشیاری سے 300 سے زائد معتبر شخصیات مثلاً ٹی۔ایس۔ایلیٹ، ڈورس لیسنگ، آلڈس ہکسلے، ڈیم ربیکا ویسٹ و نیز دیگر معروف ادیب، صحافی، اساتذہ، سیاست داں، ٹیلی ویژن کی مشہور شخصیات اور فنون لطیفہ کے ماہرین وغیرہ سے رابطہ کر کے انھیں اس مقدمے میں ناول کے حق میں گواہی پر راضی کر لیا۔ کئی ادیبوں نے براہ راست مائیکل روبنسٹین کو خط لکھ کر اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

ای۔ایم۔فوسٹر نے اپنے پیغام میں لکھا تھا:

"لیڈی چیٹرلی کا عاشق" بیسویں صدی کے ایک معروف ناول نگار کی جانب سے تحریر کردہ ایک اہم ادبی شاہکار ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس ناول پر کیوں اور کیسے مقدمہ چلایا جا سکتا ہے؟ اور اگر اس ناول کی مذمت بھی کی گئی ہو تو پھر ہمارا ملک یقینی طور پر امریکا اور دیگر ممالک میں مضحکہ خیزی کا نشانہ بنے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ناول فحش ہے۔ لیکن مجھے کچھ کہنے میں اس لیے تردد ہے کہ میں "فحاشی" کی قانونی تعریف سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکا۔ قانون کہتا ہے کہ فحاشی، بدچلنی اور بدعنوانی کی راہ پر لے جاتی ہے مگر مجھے ایسی تعریف سے اتفاق نہیں۔ یہ ناول نہ تو فحش ہے اور نہ شہوت انگیزی کی ترغیب دلاتا ہے، حتیٰ کہ جتنا میں مصنف کو جانتا ہوں، اس بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ ناول کو تحریر کرتے وقت اس کے دل میں شہوت یا فحاشی کے فروغ کی نیت یقیناً نہیں رہی ہوگی۔

گراہم گرین نے 22/اگست 1960 کو تحریر کیا:

میرے نزدیک یہ فیصلہ انتہائی نامعقول ہے کہ اس کتاب پر فحاشی کا الزام دھرا جائے۔ لارنس کی نیت اور اس کا رجحان تو یہ تھا کہ محبت کے جنسی پہلو کو قدرے بالغانہ انداز میں بیان کیا جائے۔ میں یہ تک تصور نہیں سکتا کہ کوئی نابالغ ذہن محض جنسی لطف کشید کرنے کی غرض سے اس ناول کا مطالعہ کرے گا۔ ہر چند کہ میرے نزدیک یہ معاملہ کچھ پیچیدہ ہے کہ ناول کو تحریر کرنے کی غرض و غایت کتنی کامیاب رہی، اس کے باوجود ناول کے کچھ حصے مجھے فضول محسوس ہوتے ہیں اور اسی سبب میں اس مقدمہ میں بطور گواہ پیش ہونے سے معذور ہوں اور خاص طور پر اس وقت جب میری کسی گواہی سے مدعی علیہ (پینگوئین بکس) کے موقف کو کوئی نقصان پہنچے۔

آلڈس ہکسلے 9/اکتوبر 1960 کو یوں رقم طراز ہوئے:

"لیڈی چیٹرلی کا عاشق" بنیادی طور پر ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ جنسیت کے پہلو کو جس خوبی سے بیان کیا گیا ہے، وہ حقیقت افروز اور موسیقی ریز ہے۔ اس میں نہ ہوسناکی ہے اور نہ شہوت کی ترغیب دلانے والے وہ جذبات بیان ہوئے ہیں جو کمتر درجے کے ناولوں اور کہانیوں میں ہمیں اکثر و بیشتر پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس ناول کے مصنف نے اگر ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو قدامت پرست معاشرے میں معیوب سمجھے جاتے ہیں اور اسی بنیاد پر اس ناول پر پابندی عائد کی جاتی ہے تو یہ یقیناً بے وقوفی کی انتہا ہے۔"

******

Link: https://www.taemeernews.com/2014/09/world-top-10-banned-Novels.html

تعارف

کانسٹنس اور کلیفورڈ کی شادی ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ اس وقت دونوں ہی جوان تھے
کانسٹنس کی عمر لگ بھگ ۲۳ سال اور کلیفورڈ کی ۱۰ رہی ہوگی۔ لیکن صرف ایک مہینے تک
ہنی مون منانے کے بعد ہی کلیفورڈ کو پہلی جنگ عظیم کے محاذ پر چلا جانا پڑا۔
لڑائی کے میدان سے کلیفورڈ چیٹرلی واپس صحیح سلامت لوٹ تو آیا مگر اس کا سارا
جسم بری طرح ناکارہ ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر اسے زندہ رکھنے کے لیے تین سال تک موت سے لڑتے
رہے۔ وہ بچ تو گیا، لیکن اپاہج ہو گیا۔ اس کے جسم کے نچلے حصے کو ہمیشہ کیلئے فالج مار گیا۔
۱۹۲۰ء میں دونوں میاں بیوی رگبی واپس لوٹ آئے۔ رگبی ہال، کلیفورڈ کی جاگیر تھی۔
باپ کا تنہا وارث ہونے کی وجہ سے باپ کی ساری دولت اسے ملی تھی اور جائداد کا مالک بننے
پر اس کے نام کے آگے 'سر' کا خطاب بھی جڑ دیا گیا تھا۔ اسی لیے کانسٹنس کو بھی جائداد کی مالکن
ہونے کے ناطے لیڈی چیٹرلی کہا جاتا تھا۔ گھر بالکل سونا تھا۔ کلیفورڈ کی صرف ایک بہن تھی جس کی
شادی ہو چکی تھی۔ باقی سب ہی رشتہ دار دور دراز کے تھے۔
زندگی میں بہت کچھ سہہ لینے کی وجہ سے کلیفورڈ کی قوت برداشت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہ
جانتے ہوئے بھی کہ آنے والے برسوں میں وہ کبھی عام آدمیوں کی طرح زندگی کا سکھ نہیں پا سکے گا، اس
کی شخصیت پر تفکرات کی کوئی پرچھائی تک نہ تھی۔ وہ ہمیشہ خوش اور ہنس مکھ دکھائی دینے کی کوشش
کرتا تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں، رعب دار آواز، چوڑا چکلا سینہ، مردانہ چہرہ اور نئے سے نئے
فیشن کے قیمتی کپڑے، دیکھنے والوں کو بہت متاثر کرتے۔ انھیں ایسا معلوم ہوتا کہ یہ آدمی موت

کی گھاٹیوں سے لوٹ کر بھی جینے کی ہمت رکھتا ہے۔ دراصل کلیفورڈ موت سے اتنا قریب ہو کر لوٹا تھا کہ باقی ماندہ زندگی کا ہر ایک لمحہ اس کے لیے انتہائی قیمتی تھا۔

لیکن پھر بھی کچھ تھا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے چھن چکا تھا... جسے کبھی واپس لوٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

مسز کلیفورڈ چیٹرلی کی بیوی، کانسٹینس چیٹرلی — جسے گھر میں کونی کے نام سے پکارا جاتا تھا — ملائم، بھورے بالوں اور بڑی بڑی بھیگی آنکھوں والی الھڑ سی لڑکی تھی۔ اس کی مترنم آواز سن کر ایسا لگتا جیسے وہ کسی بڑی جاگیر کی مالکن نہیں ہے بلکہ گاؤں سے نو وارد سہمی ہوئی لڑکی۔ کونی کا میکہ بھی مالدار اور ذی عزت تھا۔ اس کے والد سر مالکم ریڈ سوسائٹی کے ایک معزز فرد تھے۔ اور ماں ایک تعلیم یافتہ، فنکار خاتون تھیں۔ کونی کے کوئی بھائی نہ تھا، صرف ایک بڑی بہن تھی۔ ہلڈا۔

دونوں بہنوں کی پرورش مہذب ماحول میں ہوئی تھی۔ لیڈی ریڈ کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے لیے مشہور ہم عصر فن کار اُن کے گھر آتے رہتے تھے۔ اس کے سوا، ماں ان دونوں بیٹیوں کو پیرس، روم، برلن اور ہیگ کی فنون لطیفہ کی محفلوں اور سیاسی جلسوں میں بھی لیجاتی تھی۔ ان مقامات پر سب ہی موضوعات پر بے باکانہ گفتگو سن کر لڑکیوں کا نڈر ہو جانا بالکل فطری ہی تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں دونوں بہنیں برسیلڈن بھیج دی گئیں۔ برسیلڈن کے تعلیمی اداروں کا ماحول اور بھی آزادانہ تھا۔ دونوں بہنیں مردوں سے نفسیات، سماج، اور موسیقی کے موضوعات پر بحثیں کرتیں، گٹار کی دھن پر ناچتی ہوئیں، پکنک مناتیں، اور گویا ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی زندگی میں آزاد روی، عیش و عشرت کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

اٹھارہ برس کے ہوتے ہوتے دونوں بہنوں کو عشق کے میدان میں کافی تجربے ہو چکے تھے، دراصل جنسی مسائل پر اتنی لمبی بحثیں ہوتیں کہ بعد میں جنسی ملاپ کا ہونا فطری سا ہو جاتا، مگر دونوں لڑکیاں اپنے آپ کو باشعور اور ترقی پسند دکھلانے کے خبط میں جسمانی لذتوں کا پورا لطف اٹھا

باتیں۔ اسی شعور کے باعث انہیں کئی بار جنسی ملاپ کرنا محض غیر اخلاقی محسوس ہوتا۔ اس کے باوجود جنس ایک لازمی چیز تھی۔ دونوں لڑکیاں کبھی کبھی جنس کی غلامی سے آزاد ہو کر دیہاتی آزادی کا تجربہ کرنے کی کوشش کرتیں، لیکن بھوکے بچوں کی طرح تجربہ کار مردوں کے آگے ہمیشہ ہار جاتیں۔ لڑکے ہمیشہ جنس کے لیے نادیدہ رہتے ہیں، دونوں لڑکیاں مردوں کی اس بھوک کو بخوبی جانتی تھیں اور ان کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی تھیں۔ اسی لیے جنس زدہ مرد کئی بار انہیں جیتنے کی بجائے ان کے ہاتھوں میں صرف کھلونا بن کر رہ جاتے تھے۔

۱۹۱۲ء میں جب دونوں بہنیں گھر لوٹیں تو والد پر سب روشن ہو گیا کہ وہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ کرتی رہی ہیں۔ مگر انھوں نے ان کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور چھٹیاں ختم ہونے پر انہیں واپس جانے دیا۔ اگلے سال جب دونوں لڑکیاں دوبارہ گھر لوٹیں تو انھیں اپنے عاشقوں کے جنگ میں مارے جانے کی خبر ملی۔ اطلاع ملنے پر دونوں بہنیں روئیں تو ضرور، لیکن انہیں کوئی زیادہ دکھ نہ ہوا۔

پھر یکایک ہلڈا نے اپنے سے دس سال بڑے ایک معزز شخص سے شادی کر لی۔ ہلڈا کا شوہر ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر مامور ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ مضامین بھی لکھتا تھا۔

کونی گھر پر بیٹھی بیٹھی کچھ دن تو محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کے لیے سویٹر بننے میں مشغول رہی، کہ اچانک اس کی ملاقات کلیفورڈ سے ہوئی۔ کلیفورڈ ان دنوں کیمبرج میں، دو سال گزارنے کے بعد، کوئلے کی کانوں کے بارے میں مطالعہ کرتا کرتا فوج میں لفٹننٹ ہو گیا تھا۔ سر مالکم نے بھی موقع دیکھ کر اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کونی کی شادی کر دی۔ اس وقت یورپ پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ دونوں کی سہاگ راتیں کچھ ایسی تھیں، جیسے کسی ڈوبتے جہاز پر، ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے، دو عاشق جو زندگی کی گہرائیوں کو جاننے کے لیے متجسس ہوں۔

۱۹۳۰ء میں رنگینی لوٹنے پر کونی کو پتہ چلا کہ اس کی نند اکتا کر لندن چلی گئی ہے

اور رنگبی ہال میں نوکروں کے سوائے کلیفورڈ خاندان کا کوئی فرد نہیں ہے۔ رنگبی ہال اٹھارویں صدی کے اوائل میں بنی ہوئی، بھورے پتھروں کی عالیشان حویلی تھی، لیکن حویلی کی ساری شان وشوکت، اردگرد پھیلے ہوئے کوئلے کی کانوں کے گڑھوں اور میلے کچیلے گاؤں سے کچھ دھندلا گئی تھی۔ فضا میں یا تو چمنیوں کے دھوئیں کی بدبو تیرتی رہتی یا انجنوں، ٹرکوں، ریل گاڑیوں کی سیٹیوں کا شور۔ ہوا زور سے چلتی تو سارا گھر ملی ہوئی گندھک کی بو سے بھر جاتا اور متلی سی آنے لگتی۔ لوگ بھی کچھ اکھڑ اور جنگلی قسم کے تھے۔ جب لارڈ اور لیڈی چیٹرلی گھر لوٹے تو ان کا استقبال کرنا تو درکنار کسی نے ان کی تعظیم تک نہ کی۔ اور اب بھی بہت ہوا تو وہ دونوں کو دیکھ کر دکھاوے کی عزت کے لیے لوگ چپ چاپ ٹوپی سر سے اتار لیتے تھے، بات چیت کرنے کی ہمت نہ کر پاتے تھے۔

پہلے پہل تو گاؤں والوں کا ایسا غیر مہذب سلوک کونی کو بڑا برا لگا۔ لیکن پھر وہ اس کی عادی ہو گئی۔ اب اگر وہ اکیلی گاؤں میں سے گزرتی تو بھی چپ چاپ کسی بت کی طرح اپنے راستہ پر چلتی رہتی۔ کلیفورڈ بھی خود اپنے تعلق سے اتنا مشتبہ تھا کہ اسے گھر کے نوکروں کے سوا کسی اور سے ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ وہ گویا یہاں ہوتے ہوئے بھی دنیا سے بے تعلق ہو گیا تھا۔ اسے کسی چیز میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوتی۔ اس کے شعور کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ کئی دفعہ تو کونی کو بھی محسوس ہونے لگتا کہ ان دونوں کو جوڑنے والے پل بہہ گئے ہیں اور سارے لمس تھرتھری اور تبسم سے خالی ہیں۔

پھر بھی کلیفورڈ ایک طرح سے کونی کا دست نگر تھا۔ وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج تو نہیں تھا اور کرسی میں انجن لگ جانے سے حسب مرضی جہاں چاہے جا سکتا تھا، لیکن کونی کے بغیر وہ اکیلا رہ جاتا اور اکیلے ہوتے ہی اسے بے چارگی کا احساس ستانے لگتا۔

اس کے اردگرد کونی کی موجودگی ضروری تھی۔ ویسے تنہائیں مری نہیں تھیں اور وقت کاٹنے کے لیے اس نے کہانیاں لکھنی شروع کر دی تھیں، جن کا موضوع اس کی نجی زندگی

۵

کے واقعات اور جانے پہچانے افراد ہوتے۔ لیکن دنیا سے قطع تعلق کر لینے کی وجہ اس کے اظہار خیال میں ایک انوکھا خلا آگیا تھا۔ اس خلا سے اس کی کہانیوں کے نفسیاتی عناصر نکھر اٹھتے اور وہ موجودہ زندگی کی صحیح شکلیں اختیار کرنے لگتے۔ کلیفورڈ کو اپنی ان کہانیوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ ہر ایک سے اپنی کہانیوں کی تعریف و توصیف کی توقع رکھتا تھا۔

جسمانی طور پر دونوں کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہ گیا تھا۔ کونی کا کام گھر کی دیکھ بھال کرنا تھا، لیکن وہاں بھی سب نوکر چاکر اتنے پرانے تھے کہ انھیں کوئی حکم دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ گھر کے بہت سے کمرے بند پڑے رہتے تھے، نوکر مستعدی سے اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ مالکن کی حیثیت سے نوک جھونک کا موقع ہی نہ آتا۔ کلیفورڈ یا تو کام میں لگا رہتا یا کونی کو اپنی تخلیقات پڑھ کر سناتا۔ کئی بار دونوں میں تاریخی مسائل پر بحث بھی چھڑ جاتی، لیکن یہ بحث زیادہ دیر تک نہ چل پاتی۔

کلیفورڈ کے کئی دوست تھے۔ ادبی دنیا میں آجانے کی وجہ سے اس کی جان پہچان کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو اپنے ہاں مدعو کرتا۔ جو لوگ اس کی تخلیقات کے مداح تھے یا کسی نہ کسی طرح اس کے شکر گزار ہوتے تھے، وہ ان کی خاص طور پر خاطر تواضع کرتا تھا۔ وہ لوگ بھی رگبی ہال مدعو کئے جانے پر فخر محسوس کرتے۔ ان مہمانوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کونی پر تھی۔ وہ اجنبیوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی اور ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھتی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کی کسی بھی مرد سے برائے نام دلچسپی سے بھی کلیفورڈ کو ناقابل برداشت تکلیف ہوگی۔ اسی لئے وہ کسی بھی مرد کی تعریف پر کوئی خاص توجہ نہ دیتی۔ کونی کے رشتہ دار بھی اس کے ساتھ ہمدردی اور پیار جتانے کی کوشش کرتے۔ وہ ان لوگوں کی ہمدردی میں پوشیدہ طنز کو سمجھتی تھی لیکن کیا کر سکتی تھی!

جب اسے اور کوئی کام نہ ہوتا تو باغ کے ساتھ ساتھ آگے ہوئے جنگل میں چلی جاتی۔ جنگل اس کی جائداد کا ہی ایک حصہ تھا۔ وہاں وہ درختوں کے نیچے پھیلے ہوئے پراسرار سناٹے

میں پت جھڑ کے سوکھے پتوں پر گھومتی یا بہار کے نئے پھول چن لاتی ۔

لیکن یہ سب خواب تھا ۔ ۔ ۔ سراب اور حقیقت سے دور ۔ ۔ ۔ کسی بھی چیز کے اصلی مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہوتی تھی ۔ گویا وہ کسی آئینہ خانے میں قید تھی اور اس کے اردگرد کی اشیا، ٹھوس حقیقتیں ہونے کی بجائے چلتی پھرتی پرچھائیوں کے مانند تھیں، الفاظ پھول، جسم ۔۔۔ سب پرچھائیوں سے بنے ہوئے تھے، جن کی صرف شکل تھی لمس نہیں ۔

١

کونی اپنے اندر ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی ۔ ایک دیوانگی سی آہستہ آہستہ اس پر سوار ہوتی جا رہی تھی ۔ رہ رہ کر اس کے جسم میں لہریں سی اٹھنے لگیں ۔ اسے یوں محسوس ہوتا کہ اس غیر شعوری جذبہ کی آسودگی کے لئے کسی بہت گہرے تالاب میں غوطے لگانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے ۔ کئی بار اس کا دل بے وجہ ہی دھڑکنے لگا ۔ ویسے بھی وہ کمزور پڑتی جا رہی تھی ۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی تھی ۔

کئی بار وہ کلیفورڈ کو اکیلا چھوڑ کر جنگلوں میں چلی جاتی ۔ کئی مرتبہ وہ گھر، رنگین ہال، نوکر، شوہر سب سے پیچھا چھڑا کر بھاگ جانا چاہتی ۔ ایسی حالت میں اس کی واحد جائے پناہ جنگل تھا ۔ لیکن جنگل بھی پناہ ہ جینے کی حد تک تھا، اس کے مسائل کا حل نہ تھا ۔ وہاں جا کر تھوڑی دیر تو اسے کچھ سکون ملا لیکن پھر وہاں بھی جلدی ہی جھنجھلاہٹ ہونے لگتی ۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوتا گویا اس کی شخصیت آہستہ آہستہ بکھر رہی ہے ۔ اس طرح ٹکڑوں میں بٹ جانے کے احساس سے اس کی اجنبیت اور ماحول سے بیگانگی اور بھی بڑھ جاتی ۔ تب تنہائی کا یہ احساس حد سے گزر جاتا تو اسے محسوس ہوتا گویا وہ صرف پتھروں سے سر ٹکرا رہی ہے اور اسی طرح پتھریلے اور غیر آباد کھنڈروں سے ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی ۔

۷

سردیاں آگئی تھیں کہ تب ہی ان کے یہاں میکالمس آیا۔ میکالمس نے امریکہ میں اپنے ڈراموں سے دولت اور شہرت دونوں کمایا تھا۔ لندن والوں نے بھی پہلے پہل اسے سرآنکھوں پر بٹھایا۔ لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ وہ اپنے ڈراموں میں کسی کا بھی مذاق اڑاتے سے نہیں چوکتا تو اعلیٰ طبقے نے ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ میکالمس اتنا بدنام ہو گیا کہ لندن کی سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کے افراد کھلم کھلا اس کے نام پر تھو کنے لگے۔

کلیفورڈ سب کچھ جانتا تھا۔ لیکن اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی میکالمس کو مدعو کیا تھا۔ خوشحال طبقے میں شامل ہو جانے پر بھی میکالمس کی تخلیقی صلاحیت کم نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے طنز پہلے سے بھی زیادہ تیکھے اور موثر ہو گئے تھے۔ اس کی عمر بھی کچھ اتنی زیادہ نہ تھی کہ اس کی ٹھاٹھ باٹ میں کمی آجاتی۔ وہ رگبی ہال تک ایک لمبی کار میں آیا تھا۔ اس کا شوفر اور ٹہلر ساتھ تھا۔ کلیفورڈ جانتا تھا کہ ابھی تک لاکھوں لوگ میکالمس کو پڑھنے لگے تھے۔ اور میکالمس ان سب تک اس کا نام پہونچانے میں مدد کر سکتا تھا۔ مخرب اخلاق سماج کے زمرے سے نکال دیے جانے اور کلیفورڈ جیسے بڑے ادیب کی جانب سے مدعو کئے جانے پر میکالمس کا خوددار رہنا بالکل فطری تھا۔ کلیفورڈ آگے چل کر اس دریافت کو اپنی شہرت کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اگرچہ ایک بار اتنا شہرت یافتہ ہو جانے کی وجہ میکالمس ذرا سا شکست خوردہ ضرور ہو گیا تھا اور بڑی سادگی سے وہ دھیمی آواز میں ہی باتیں کر رہا تھا، لیکن کونی کو اس کی یہی سادگی بھا گئی میکالمس کی ساری شخصیت میں ایک ایسی سادگی تھی، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس شخص کو اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ کلیفورڈ سے گفتگو کے دوران بھی وہ پوری طرح چوکنا رہتا۔ اسے معلوم تھا کہ کلیفورڈ نے اسے کس لیے مدعو کیا ہے۔ لیکن ساری گفتگو کے دوران اس نے چالاک تاجروں کی طرح اس بات کا پتہ تک نہ لگنے دیا۔

"پیسہ!" کوتی نے میکالس کو کلیفورڈ سے کہتے ہوئے سنا۔ "پیسہ دراصل سکہ کم ہے اور خواہش زیادہ۔ کچھ لوگوں کے خون ہی میں پیسہ کمانے کی لالچ ہوتی ہے۔ پھر پیسے کا ٹھکانا بھی کیا ہے؟ ایک بار آدمی کمانا شروع کردے تو ڈھیر لگا دے، گنوانا شروع کردے تو کنگال ہو جائے۔"

"لیکن شروع تو کرنا ہی پڑتا ہے" کلیفورڈ نے کہا۔

"ہاں...... شروع تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ کھڑے کھڑے تماشہ دیکھنے سے کیا بن سکتا ہے؟ لیکن ایک بار بازی شروع ہوجائے تو پھر پیچھے ہٹنا بھی آدمی کے بس کی بات نہیں رہ جاتی۔"

"لیکن تم چاہتے تو ڈرامے لکھنے کی بجائے کسی اور ڈھنگ سے بھی پیسہ بنا سکتے تھے۔"

"شاید نہیں، یہ تو نہیں جانتا کہ میں اچھے ڈرامے لکھتا ہوں یا برے، مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرا پیشہ ڈرامہ نگاری کے سوائے کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ تم ایک مقبول ڈرامہ نگار کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہتے۔"

"مقبول" میکالس نے بولتے بولتے یکایک رک کر کوتی کی طرف دیکھا، "مقبولیت میں کیا رکھا ہے؟ سب بکواس ہے۔ لوگ کیا سمجھتے ہیں؟ اور پھر میرے ڈرامے ہی کون سے ایسے بے مثال ہیں؟ یہ سب تو ملنے کی بات ہے۔ جو مل گیا سو اصلی، جو رہ گیا سو کھوٹا۔"

یہ کہہ کر اس نے چپکے سے کوتی کی جانب دیکھا۔ کوتی کو محسوس ہوا، جیسے اس کے اندر ہی اندر سطح پر کچھ تھرتھرا رہا ہے۔

اس کی نظر کتنی اداس تھی، کتنی فرسودہ، گویا وہ قرن ہا قرن سے اسی طرح کا بیاباں لیکن اکیلے چھوٹ گئے بچے کی طرح مایوس بھٹکتی رہی ہو۔

"لیکن پھر بھی اتنی کم عمری میں یہ شہرت!" کلیفورڈ نے اس کی طرف توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، تیس سال کا ہو گیا ہوں" میکالس اچانک ہنسا۔ کتنی کھوکھلی، کڑوی اور شکستہ

وہ ہنسی تھی اس کی!

"کیا آپ ابھی تک اکیلے ہیں؟" کوتی نے سلسلۂ کلام جاری رکھنے کے لئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" "میں اکیلا رہتا ہوں؟ نہیں تو، میرا نوکر میرے ساتھ رہتا ہے اور اب میں شادی کرنے والا ہوں، شادی تو کرنی ہی پڑے گی۔"

"آپ تو کچھ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے کوئی مشکل لیکن پھر بھی فضول کام ہے" کوتی نے ہنستے ہوئے برجستگی سے کہا۔

میکالمس نے تحسین بھری نگاہوں سے کوتی کی جانب دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اب جب بیٹھی ہوئی یہ عورت اعلیٰ طبقے کی دوسری عورتوں کی طرح صرف موم کی لبی پتی گڑیا ہی نہیں ہے بلکہ بات کی تہہ تک پہنچنا بھی جانتی ہے۔ اس نے کچھ رک کر کہا، "دراصل ...... بات یہ ہے...... یوں سمجھئے لیڈی چیٹرلی کہ میں کسی انگریز عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"تو کوئی امریکن ہی ڈھونڈ لیجئے۔" کوتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے، امریکن لڑکی مجھ جیسے آدمی کو کہاں پسند کرے گی" میکالمس بولتے بولتے ہنسا، — "البتہ میں نے اپنے ملازم سے کہہ دیا ہے کہ میرے لیے ترکی یا افریقہ کی کوئی گنوار سی لڑکی ڈھونڈ دو۔"

کوتی نے ذرا تعجب سے میکالمس کی طرف دیکھا۔ یہ شخص جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اسے کم از کم پچاس ہزار ڈالر کی آمدنی تو صرف امریکہ میں ہی فروخت ہونے والی کتابوں سے ہوتی ہے، ایسی باتیں کر رہا تھا! آخر اسے ایسا کیا ہو گیا ہے؟ کوتی نے سوچا اور اس کے دل کے گوشے میں اتنی دیر سے چھپی ہوئی تعریف، ہمدردی میں بدل گئی۔ اسے یکایک میکالمس کے اکیلے پن پر ترس آنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے لوگوں نے ...... لندن کے نام نہاد مہذب سماج نے ...... ایسے بے ضرر آدمی کی جانچ پڑتال کر کے بہت بڑی ناانصافی

کی ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں مردوں کا تقابل کرنے لگی۔ ایک یا اس کا شوہر تھا اور دوسرا اپنے گھر، غیر مانوس اجنبی۔ لیکن اس اجنبی کی ساری شخصیت میں کوئی ایسی شادابی تھی جو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی تھی میکالمس خوبرو نہیں تھا لیکن اس کے سارے جسم میں مردانہ پن اور چہرہ پر تجربہ کاری کے آثار تھے۔ کلیفورڈ کیسا بھونڈا لگتا ہے، کونی نے سوچا۔

اب تک میکالمس کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ کونی اس میں دلچسپی لی رہی ہے۔ اس لے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے بغور اور بے باکانہ کونی کی طرف دیکھا۔ وہ جھپٹنے سے پہلے شکار کا اندازہ لگاتا ہوا پر تول رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ انگریزی سوسائٹی میں کھپ سکنے کے قابل نہ تھا۔ اس میں وہ سب کچھ نہیں تھا جسے برٹش، انگلش اور مہذب سمجھتے ہوں لیکن اس کے باوجود عورتیں اس پر اکثر مرمٹتی تھیں۔ اس کا کنوارا پن انہیں مقناطیس کی طرح کھینچتا تھا، اور میکالمس اس بات سے واقف تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس میں اور کلیفورڈ میں دوستی کا سوال اٹھنا مشکل ہے۔ بے تحاشا دوڑنے وقت زبان نکال کر ہانپتے ہوئے کتوں کی طرح، کاروباری ڈھنگ سے کامیابی کی چکر میں پڑے ہوئے، یہ دونوں، ادیب در اصل، ایک دوسرے کے حریف تھے، لیکن تہذیب کا تقاضا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو لہولہان کرنے کی بجائے عجز و انکساری کا ڈھونگ رچاتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تمیز سے پیش آئیں۔ لہٰذا اس وقت بھی دونوں کا سلوک ایسا ہی تھا۔

لیکن میکالمس، کلیفورڈ کو بخوبی جانتے ہوئے بھی کونی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ناشتے کا انتظام کمروں میں ہی ہوتا تھا۔ صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کمرے کی کھڑکی سے گارڈن کی طرف دیکھتے دیکھتے اسے بوریت محسوس ہونے لگی۔ نومبر کے ابتدائی دنوں کو دیکھتے ہوئے موسم اچھا تھا۔ پھر بھی دلبستگی دوبھر معلوم ہو رہی تھی، اس نے لیڈی چیٹرلی کے نام کسی ملازم کے ہاتھ پیام بھجوایا کہ گاؤں میں جا رہا ہے اور اگر انہیں کوئی کام ہو تو بتا دیں۔ تھوڑی دیر بعد

ملازم نے آکر جواب دیا کہ لیڈی چیٹرلی نے اسے اپنے کمرے میں ہی یاد کیا ہے۔

کوتی کا کمرہ تیسری منزل پر سب سے اوپر تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میکائلس نے مسکراتے ہوئے کہا "واہ! آپ کا کمرہ تو واقعی بہت شاندار ہے"۔

"بس دیکھ لیجئے۔ جیسا بھی ہے آپ کے سامنے ہے"، کوتی آہستہ سے مسکرا کر بولی۔ دراصل سارے گھر میں کوتی کو صرف اپنے کمرے سے ہی لگاؤ تھا۔ وہ جب کبھی اکیلی ہوتی تو بیٹھی بیٹھی کھڑکیوں کے پار تاکتی رہتی۔

کچھ دیر بعد دونوں کی بات چیت دوبارہ شروع ہوگئی اور کوتی نے میکائلس کے والدین، خاندان اور نجی زندگی کے بارے میں عورتوں کی طرح متعدد سوال پوچھ ڈالے میکائلس اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ آخر جب کوتی سے نہ رہا گیا تو اس نے میکائلس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا، "لیکن آپ اس قدر اکیلے کیوں رہتے ہیں؟"

"کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں!" میکائلس نے بات کو ٹالنے کے لیے مختصر سا جواب دے کر چپ ہو جانا چاہا، لیکن تب ہی اس نے محسوس کیا کہ اس سوال کے پیچھے صرف تجسس ہی نہیں، بلکہ کچھ اور بھی ہے اور اس نے کوتی کے سوال کو دہراتے ہوئے کہا، "لیکن صرف میں ہی تو اکیلا نہیں ہوں، آپ اپنے آپ کو بھی تو دیکھئے۔ کیا آپ بھی میری ہی طرح بالکل اکیلی نہیں ہیں؟"

کوتی کو اتنی جلدی میکائلس سے اس سوال کی امید نہ تھی۔ پہلے تو وہ کچھ چونک گئی، لیکن پھر سنبھل کر بولی، "ہاں، ایک طرح سے ہوں تو...... لیکن آپ جیسی نہیں"۔

"کیوں، کیا میں ایسا اکیلا ہوں؟"

"اور کیا؟" کہتے ہوئے کوتی نے میکائلس کی طرف دیکھا۔ یکایک اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کی کشش کی وجہ اپنا توازن کھوتی جا رہی ہے۔

"شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں" میکائلس نے دیوار پر ٹنگی ہوئی آئیل پینٹنگ کی طرف غور سے

دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کوتی کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے دونوں کی نظریں مل گئیں۔ اور کوتی نے محسوس کیا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی بچہ اس کے دودھ کے لیے چھٹپٹا رہا ہے۔ کوئی دو ننھے ننھے گلابی ہاتھوں کی ریشمی انگلیاں اس کے پیٹ پر رینگ رہی ہیں۔

"کیا میں آپ کو چھو سکتا ہوں؟" میکالمس نے اسی طرح کوتی کی آنکھوں کو مسحور کن نگاہوں سے مسلسل تاکتے ہوئے کہا۔

کوتی نے محسوس کیا۔ گویا وہ بے بس ہوگئی ہے۔ میکالمس اٹھا اور گھٹنوں کے بل چل کر کوتی کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ اس نے کوتی کے دونوں پاؤں سلیپروں سے نکال کر اپنی ہتھیلی میں رکھ لیے اور اپنا سر اس کی رانوں سے ڈھلکتے ہوئے گون پر رکھ دیا۔ کوتی نے اپنی گود میں رکھے ہوئے سر کو دیکھا اور بے قابو ہوکر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ میکالمس نے ایک بار پھر اوپر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جانے ایسا کیا تھا کہ کوتی کا رواں رواں بے قابو ہونے لگا۔ اس نے محسوس کیا، گویا اس کے اندر سے نکلنے والی ساری ندیاں میکالمس کی طرف دوڑ رہی ہیں۔ سپردگی کی ایک انتہائی خواہش آہستہ آہستہ کوتی کی رگوں میں پھیلنے لگی۔ پھر وقت ٹھہر گیا اور دونوں جذبات کے سمندر میں ڈوب گئے۔

الگ ہو جانے کے بعد کوتی کو پتہ چلا کہ وہ بڑا اناڑی عاشق ہے۔ لیکن ان لمحوں میں کوتی کے لیے جسمانی سکھ سے بھی زیادہ اہم، سپردگی کی خواہش تھی۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموش پڑے رہے۔ پھر کوتی اپنی چھاتی پر پڑے ہوئے میکالمس کے سر کو آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ یکایک نیچے سیڑھیوں پر کوئی آہٹ ہوئی، دونوں حقیقی دنیا میں لوٹ آئے۔ میکالمس نے کھڑا ہونا چاہا لیکن کچھ سوچ کر جھک گیا۔ اس نے پہلے کوتی کے ہاتھوں کو چوما، پھر پاؤں کو اور پھر چپ چاپ کمرے کے دوسرے سرے پر جاکر کھڑا ہوگیا۔ میکالمس کی پیٹھ کوتی کی طرف تھی۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ تب ہی وہ یکایک مڑا اور کوتی کے قریب آکر بولا۔ "میرا خیال ہے،

اب آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی۔"

"کیوں، میں نفرت کیوں کروں گی؟"

"عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

"ہوتی ہونگیں، لیکن میں تم سے نفرت نہیں کرتی"

"اور سر کلیفورڈ....."

"ہاں، سر کلیفورڈ کو پتہ نہیں لگنا چاہیئے۔ بالکل..... رتی بھر بھی نہیں۔ معلوم ہوگا تو انھیں بے حد تکلیف ہوگی۔ میں انھیں ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی اور اس میں غلط بھی کیا ہے؟"

"غلط...... غلط تو کچھ نہیں ہے...... اُف..... تم کتنی ....." میکالس اپنا جملہ پورا نہیں کر سکا۔ اس کا گلا جوش سے بھر آیا تھا۔

"اچھا، اب چلتا ہوں" تھوڑی دیر بعد میکالس نے کہا "یہاں سے شیفیلڈ جاؤں گا لنچ وہیں لوں گا اور شام میں چائے کے وقت تک لوٹ آؤں گا"

یہ کہہ کر اس نے دوبارہ کونی کے ہاتھ چومے اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

شام کو چائے پر دونوں میں کوئی خاص بات چیت نہ ہو سکی۔ لیکن اندھیرا ہونے کے بعد ہال میں موم بتیاں جلاتے وقت دونوں اکیلے رہ گئے تو میکالس نے آہستہ سے کہا "کیا میں آؤں؟"

"نہیں، میں آؤں گی" کونی نے مختصر سا جواب دیا۔

رات میکالس کو اپنے کمرے میں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا... لیکن کونی آگئی۔ میکالس بڑا جذباتی عاشق تھا۔ اس کے جذبات اتنے جلدی بھڑک جاتے کہ اس کا اعصابی نظام خون کا دباؤ نہ سہہ سکتا جس کی وجہ سے وہ دیر تک ٹک نہ سکتا۔

نتیجتاً وہ جلد ہی منزل پر جا پاتا تھا، کئی بار تو شروع ہوتے ہی وہ اتنی جلدی ختم ہو جاتا کہ اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی عورت کھسیانے پن کو چھپانے کے لیے اس کا سر تھپتھپانے کے سوا کوئی تسکین حاصل نہ کرپاتی لیکن جسمانی اعتبار سے نازک ہونے ہوئے بھی اس کے ننگے جسم میں بچوں جیسی معصومیت تھی۔ کپڑے اتارتے ہی اس کی شخصیت کا سارا رعب اور مردانگی جانے کہاں چلی جاتی اور وہ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح دکھائی دینے لگتا۔ اس کی یہی خصوصیت عورتوں پر جادو کر دیتی۔ انھیں محسوس ہوتا، گویا جنم جنم کا پیاسا وہ صرف ان ہی کی محبت کا انتظار کر رہا ہے اور وہ اس بات پر نچھاور ہونے کے لیے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔

کوّنی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ لیکن اس نے جلد ہی میکالمس کے سرعتِ انزال پر قابو پالیا۔ جب میکالمس انزال کی آخری منزل پر تیزی سے دوڑنے لگتا تو وہ خود بھی حرکت شروع کر دیتی اور اس طرح پہلے یا بعد، کسی نہ کسی طرح دونوں نقطۂ عروج پر پہنچ ہی جاتے

اس بار وہ صرف تین دن تک ہی ٹھہر سکا۔ کلیفورڈ اور اس کے تعلقات میں کوئی فرق نہ آیا، لیکن کوّنی اور اس کے درمیان جو تعلق پیدا ہوا تھا۔ وہ ان ہی تین ملاپ میں ختم نہ ہوا بلکہ آگے بھی چلتا رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو خط لکھتے۔ کبھی کبھار کوّنی اس سے ملنے کے لیے لندن بھی چلی جاتی۔ دونوں ہی جسمانی سکون چاہتے تھے، اور جسمانی کشش کی یہ ڈور دونوں کو باندھے ہوئی تھی۔

۲

فروری آ گیا تھا۔ ان دنوں سورج دیر سے نکلتا اور صبح کہر چھایا رہتا۔ ایسی ہی ایک دھندلی سی صبح، کوّنی اور کلیفورڈ سیر کے لیے جنگل کی طرف گئے۔ کلیفورڈ اپنی

انجن والی کرسی میں بیٹھا تھا۔ اور کوئی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

ہوا میں، ریگستی کی کانوں سے نکلنے والی گندھک کی بو اتنے سویرے بھی موجود تھی۔ لیکن عادی ہو جانے کی وجہ سے دونوں کو کچھ برا نہ لگ رہا تھا۔ جنگل کے ارد گرد باڑھ لگی ہوئی تھی۔ کوئی نے انجن والی کرسی کا دروازہ کھولا اور کرسی آہستہ آہستہ پتھریلی سڑک پر چڑھنے لگی۔ جنگل میں چاروں طرف ایک گہری خاموشی تھی، کبھی کبھی سناٹے کو چیرتی ہوئی کسی چڑیا کی آواز ہوا میں درختوں کی سرسراہٹ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ جنگ کے دوران جنگل کی دیکھ بھال نہ ہونے سے، لوگ سارے جانور اور پرندے مار مار کر کھا گئے تھے۔ کلیفورڈ نے گھر لوٹنے پر پچھلے سال بہت تلاش کر کے ایک رکھوالا رکھا تھا کلیفورڈ کو اپنے جنگل سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ یہ محسوس کرتا گویا جنگل اس کے آباؤ اجداد کی جائداد ہے۔ اور حال کو ماضی سے مربوط کرنے والی اس جائداد کی حفاظت اس کا اولین فرض ہے۔ جب سے رکھوالا آیا تھا۔ کلیفورڈ کا یہ سخت حکم تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی بھی ایرے غیرے کو جنگل میں نہ گھسنے دیا جائے۔

کہر کے بادلوں میں آہستہ آہستہ غراتی، کرسی اوپر چڑھتی رہی۔ کلیفورڈ کچھ سوچتا ہوا کرسی میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ جب وہ چڑھائی ختم کر کے بالکل اوپر آ گئے تو کلیفورڈ نے کرسی روک دی۔ اس قدر چڑھائی چڑھنے کے بعد وہ ڈھلوان پر سے ایک دم لڑھکتے ہوئے نیچے نہیں جانا چاہتا تھا۔ دونوں پہاڑی کی چوٹی سے نیچے پھیلی ہوئی ہریالی کو غور سے دیکھنے لگے۔ نیچے پہاڑی کے دامن تک کسی ٹیڑھی میڑھی لکیر کی طرح ایک راستہ پھیل گیا تھا۔ سورج کی روشنی پوری طرح نہ پھیلی تھی۔ ہلکے ہلکے کہر میں لپٹا ہوا جنگل کا نظارہ بڑا پُر اسرار لگ رہا تھا۔ چڑیاں بھوری زمین پر سے اوپر کو اٹھتے ہوئے بڑے درختوں کی گھنی شاخوں پر چہچہاتی اور ان جانی سمتوں میں اڑ جاتیں۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور اس کی زرد، مدھم روشنی کلیفورڈ کے چہرے سے ٹکراتی ہوئی ڈھلوانوں کے اوپری سرے تک پھیل گئی۔ تب ہی وہ بولا،

"یہاں آکر مجھے واقعی اپنا کوئی لڑکا نہ ہونے کا افسوس ہونے لگا ہے۔"

"لیکن یہ جنگل تو تمہارے خاندان سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔" کونی نے بات بدلنے کی کوشش کی۔ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں، اور اسی لیے میں انہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہوں ...... میں نہ ہوتا تو لوگ ابھی تک انھیں کاٹ لے گئے ہوتے۔ ان جنگلوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اگلے وقتوں کی کوئی نہ کوئی نشانی تو رہنا ہی چاہیے۔"

"کیوں؟" کونی کلیفورڈ کی بات کاٹتے ہوئے بولی، "زمانہ بدل رہا ہے اور اگر ہم بھی زمانہ کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینا نہیں سیکھیں گے تو ...."

"یہ تو ٹھیک ہے کونی، لیکن انگلینڈ کی دیرینہ روایات قائم نہیں رکھی جائیں گی تو ہمارے ارد گرد کھڑا ہوا یہ سارا نظام، تہذیب و تمدن سب تباہ ہو جائیں گے۔" کلیفورڈ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور پھر یہ جنگل تو ہماری جائداد ہیں۔ اگر ہم ان کا تحفظ نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر کلیفورڈ نے ہی دوبارہ بات چیت شروع کی، "ہر آدمی کی محنت کا تھوڑا بہت حصہ ہوتا ہے۔ اصول پرانے پڑ جائیں تو انہیں بدلنے میں کوئی ہرج نہیں، لیکن بغیر سوچے سمجھے روایتوں کو نہیں توڑنا چاہیے۔"

"کون سی روایتیں؟" کونی نے بات سننے کے بعد تھوڑی دیر چپ رہ کر کہا۔

"انگلینڈ کی روایتیں۔"

"اچھا!" وہ اطمینان سے بولی۔

"اسی لیے میں بیٹے کی بات کر رہا تھا۔ لڑکا گھر میں ہو تو خاندان کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔"
اس لڑکے کے بارے میں جس کی پیدائش کا امکان، بالکل نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس طرح کی گفتگو سے کوتی کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ لیکن وہ بولی "مجھے بھی افسوس ہے کہ ہمارے بچہ نہیں ہو سکتا۔"

کلیفورڈ نے ایک بار بالکل ساکت نظروں سے کوتی کی جانب دیکھا، پھر گویا اپنے الفاظ کو تولتا ہوا بولا۔ "اگر تمہاری گود کسی اور آدمی سے ہری ہو سکتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بچے کی پرورش تو رگبی ہی میں ہوگی اور ہماری ہی نگرانی میں بڑا ہوگا۔ میں یہ باپ واپ کے چکر میں ویسے بھی زیادہ یقین نہیں رکھتا۔ اگر بچے کی دیکھ بھال ہم کریں گے تو بچہ ہمارا ہوگا۔ کیوں...... میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں، کیا؟"

"لیکن وہ دوسرا آدمی؟" کوتی نے پوچھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا ایسی کسی بات سے واقعی میرے اور تمہارے درمیان دیوار کھڑی ہو سکتی ہے؟ وہ جو جرمنی میں تمہارا عاشق تھا، اس کا کیا ہوا؟ کچھ نہیں.... وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر سال گرنے والی برف کی طرح، زندگی کے سفر کے دوران پیدا ہونے والے سارے چھوٹے چھوٹے تعلقات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ کہاں ہے وہ برف جو پچھلے سال گری تھی؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو ہماری زندگی میں آئے تو ہم نے سوچا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور جو پھر ہمارے دیکھتے دیکھتے موڑوں پر گم ہو گئے؟ زندگی میں جو کچھ سہا جاتا ہے اس کی تو اہمیت ہے لیکن ان لمحاتی تعلقات کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ چند لمحوں کے جسمانی تعلق کی بھی اتنی طویل زندگی میں کیا اہمیت ہے؟ ہم لوگ خواہ مخواہ رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔ زندگی کو ساتھ ساتھ جھیلنے کی اہمیت ہے۔ صرف ایک بار اکٹھے سونے سے زندگی کی ساجھے داری پکی نہیں ہو جاتی۔ ہم دونوں شادی شدہ ہیں۔ لیکن ہم ایک دوسرے سے کیسے بندھے

ہوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ دو چار منٹ کے جسمانی اتصال کی لذت ؟ نہیں ، ہمیں باندھے ہوئے ہیں ، ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے برداشت کی عادت ، شادی کا اسرار جذبات کی آمدورفت ہے ، جنگلی جانوروں کی طرح صرف جسمانی اتصال کا بار بار اعادہ نہیں ۔ اگر تم میری ہو تو یہ جنس کی جھنجھٹ بھی کسی مشکل کے بغیر نمٹائی جا سکتی ہے ۔ آرے بھئی ، تمہارے دانت میں درد ہونے لگے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ گے کہ نہیں ، اسی طرح قدرت نے ، ہمارے راستے میں جو رکاوٹ کھڑی کر دی ہے اسے دور کرنے کے لیے اگر تم تھوڑی آزادی سے بھی کام لو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ۔ سچ ، میں قطعی بُرا نہیں مانوں گا ۔"

کوتی تعجب اور سکتہ کے عالم میں کلیفورڈ کی باتیں سنتی رہی ۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کی باتیں درست ہیں یا غلط ، لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ کلیفورڈ جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں بے شک سچائی ضرور ہے ۔ کہنے کو میکالمس اس کا عاشق تھا ، لیکن اس کا باطن کلیفورڈ کا تھا ۔ برسوں تک ساتھ ساتھ رہنے سے ان دونوں میں جو وابستگی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا وہ کسی اور مرد کے ساتھ ہونا ، ناممکن تھا ، کسی اور مرد سے قربت تو روزمرہ کی زندگی سے اکتا کر پکنک پر چلے جانے کے برابر تھا ۔ پکنکوں کا مطلب ہی یہ تھا کہ ترو تازہ ہو کر گھر لوٹ آیا جائے اور کلیفورڈ اس کا گھر تھا ۔

" کیا تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ بچہ کس آدمی کا ہے ؟"

" نہیں کوتی ، بالکل نہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم خود اتنی سمجھ دار ہو کہ اپنے لیے کوئی سنجیدہ اور مہذب آدمی چُن لو گی ۔ میرا خیال ہے کہ غلط قسم کا آدمی تو تمہیں ہاتھ لگانے کی جرأت بھی نہ کرے گا ۔"

کوتی کو یکا یک میکالمس کا خیال آیا ۔

" لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جسے تم غلط آدمی سمجھو ، وہی مجھے پسند آجائے ۔"

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ تم مجھے چاہتی ہو اور میں نہیں چاہتا کہ کبھی کسی ایسے آدمی سے تمہارے تعلقات ہو جائیں جسے میں پسند نہ کرتا ہوں۔"

وہ چپ ہو رہی۔ لیکن سوچ رہی تھی کہ اکثر منطق کی کسوٹی پر کھری اترنے والی باتیں بھی کتنی غلط ہوتی ہیں۔

"اور کیا یہ ضروری ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں ساری باتیں بتا دوں؟"

"بالکل نہیں، اب جاننا ہی نہیں چاہتا۔ ارے جب میں یہ مان کر چلتا ہوں کہ زندگی بھر ہمارا رہنے والا تعلق ایک آدھ بار کے جسمانی اتصال سے زیادہ اہم ہے تو شک کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔ استنے دنوں تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد اب اگر صرف جسمانی ضرورتوں کی وجہ سے ہمارے درمیان خلیج حائل ہونے کا خطرہ ہے تو اتنی سی بات کی کیا ضرورت ہے۔ صرف ایک بچے کی خاطر میں تمہیں اپنے آپ سے جدا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ہم دونوں کی ضرورت الگ الگ ہے تو میرا فرض ہے کہ تمہاری ضرورتوں کا بھی پورا پورا خیال رکھوں۔ کیوں، کیا تمہیں مجھ سے اتفاق نہیں ہے۔؟"

کوئی اتنی لمبی تقریر سن کر کچھ گھبرا گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کلیفورڈ جو کچھ کہہ رہا ہے اصولی طور پر درست ہے۔ لیکن یہ ساتھ ساتھ رہنے والی بات! کیا کوئی صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ اپنی ساری زندگی کلیفورڈ کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہوئے، اس کے ناکارہ وجود کو کارآمد بنانے میں صرف کردے۔ کلیفورڈ کی باتیں سن کر اس کا خود پر بھی اعتبار کم ہوتا جارہا تھا۔ کیا پتہ، آئندہ سال وہ کلیفورڈ کے تعلق سے کیا محسوس کرے؟

وہ اسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی کہ تب ہی ایک بادامی رنگ کا شکاری کتا دوڑتا ہوا ان دونوں کی طرف آیا۔ پہلے اس نے سر اٹھا کر ہوا میں کچھ سونگھا اور پھر ایک دو مرتبہ بھونکا۔ پھر اس کے پیچھے پیچھے تیز تیز چلتا ہوا ایک آدمی آیا۔ ان دونوں کو اچانک

دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا اور سلوٹ کر کے انتظار کرنے لگا کہ کلیفورڈ کچھ کہے۔

"بلارز،" کلیفورڈ نے کہا "ذرا اس کرسی کا پہیہ تو موڑ دو۔"

اجنبی نے کندھے پر ٹنگی ہوئی بندوق اتاری اور تیزی سے لیکن نپے تلے ڈھنگ سے چلتا ہوا کلیفورڈ کی کرسی کی طرف بڑھا۔ وہ نسبتاً دراز قد اور چھریرا تھا۔ ابھی تک اس نے ایک بار بھی کونی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا اور چپ چاپ کلیفورڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کونی یہ ہمارا نیا رکھوالا ہے۔ بلارز تمہاری میم صاحب سے پہلے تو کبھی ملاقات نہیں ہوئی؟"

"تو نہیں۔ میں ان سے پہلے کبھی نہیں ملا" اور یہ کہہ کر اجنبی نے تعظیم کے لیے اپنا ہیٹ اٹھایا۔ آداب بجا لاتے وقت اس نے سیدھے بلا جھجک کونی کی آنکھوں میں جھانکا گویا اپنے سامنے کھڑی ہوئی عورت کو تول رہا ہو۔ کونی کو کچھ شرم محسوس ہونے لگی۔ اتنے میں اجنبی نے ہیٹ کو بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اکھڑ مردوں کی طرح ہلکے سے جھٹکا دے کر سر جھکایا۔

"یقین آپ تو یہاں بڑے دنوں سے ہوں گے؟" کونی نے پوچھا۔

"جی...... جی، مجھے آٹھ مہینے ہو گئے ہیں"

"نوکری پسند آئی؟" یہ پوچھتے ہوئے کونی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

اس نے محسوس کیا کہ جیسے بلارز کی آنکھیں نظر انداز کرنے کے خیال سے سکڑ گئی ہیں۔ گویا وہ اپنے سامنے کھڑی ہوئی عورت سے بات کرنے میں توہین سمجھ رہا ہو۔ لیکن اس نے جواب دیا۔ "جی، شکریہ! میرا بچپن...... یہیں بڑا ہوا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر جھکا۔ اس نے اپنا ہیٹ پہنا اور کرسی کو تھامنے کے لیے آگے بڑھا۔ کلیفورڈ نے انجن بند کر دیا۔ بلارز نے احتیاط سے کرسی کا رخ موڑا

اور ڈھلوان کی طرف دھکیلنے لگا۔

"میں جاؤں جناب ؟" کرسی کا انجن چالو ہوا تو اس نے کہا۔

"نہیں یار، ذرا ساتھ چلے چلو۔ کیا پتہ، سالی کہیں راستہ میں ہی دغا دے جائے تو جنگل میں کیسے پکارتے پھریں گے۔"

رکھوالے نے چلنے سے پہلے ایک بار اپنے کتے کی طرف دیکھا۔ مالک کو اپنی طرف دیکھتا پاکر کتے نے دم ہلائی۔ کتے کو چوکنا پاکر ملارز کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی لیکن یہ مسکراہٹ صرف لمحہ بھر کے لیئے تھی، پھر اس کا چہرہ پہلے کی طرح تاثر سے خالی ہوگیا۔

وہ لوگ چپ چاپ ڈھلوان پر نیچے کی طرف چلتے رہتے۔ ملارز نے احتیاطاً کرسی کے پیچھے کو تھام رکھا تھا۔ لیکن اس کی چال ڈھال سے مجموعی طور پر، ایسا لگتا تھا کہ وہ نوکر نہیں ہے بلکہ کوئی آزاد سپاہی۔

جب وہ لوگ حویلی کے قریب پہنچ گئے تو کونی نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ اس لے جانے کیا سمجھا کہ جھٹ سے دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے میں سے گزرتے ہوئے دونو مردوں نے کونی کی طرف دیکھا۔ کلیفورڈ کا چہرہ کچھ کھنچا ہوا تھا لیکن ملارز کے ہونٹوں پر خواہش اور حیرت ملی جلی تھی۔

دروازہ پار کر لینے کے بعد، ملارز کلیفورڈ کی آنکھ کا اشارہ پاکر گیٹ بند کرنے کے لیئے لپکا۔ ملارز کے جاتے ہی کلیفورڈ نے اسی طرح کھنچے ہوئے انداز میں کونی سے پوچھا، "تمہیں گیٹ کھولنے کے لیئے اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بس، یونہی۔"

"لیکن بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ارے بابا، کبھی کبھی بھاگنا بھی تو اچھا لگتا ہے۔"

اس وقت تک ملارز لوٹ آیا تھا۔ اس نے آتے ہی کرسی کو تھام لیا اور آگے

طرح انجان بن کر چلنے لگا گویا اسے کسی بات سے کوئی مطلب نہ ہو۔ لیکن پھر بھی کوتی نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایک چیز پر دھیان دے رہا تھا۔ اس کا منہ بند تھا لیکن آنکھیں اور کان پوری طرح کھلے تھے۔ اب حویلی کی طرف چڑھائی پر کرسی دھکیلتے ہوئے اس کی سانس پھول گئی تھی اور وہ اپنے ہونٹوں کو تھوڑا سا کھول کر ہانپ رہا تھا۔ بار بار سانس کی آمد ورفت سے اس کے جسم کا چھریرا پن اور بھی نمایاں ہو گیا تھا۔ کوتی کو اس پر کچھ ترس آنے لگا۔

تب ہی کلیفورڈ نے آگے سے آواز دی، "کیوں بھئی، کہیں تھک تو نہیں گئے؟"

"نہیں سر!" اس نے جواب دیا۔

لیکن دراصل وہ تھک گیا تھا۔ اس کے سارے جسم میں عجیب سی خوابیدہ تھکاوٹ جاگ پڑی تھی۔ کلیفورڈ کوتی کی تڑپ کو سمجھنے سے معذور تھا۔ لیکن شاید اجنبی کوتی کے دل میں ہونے والی اتھل پتھل سے واقف ہو چکا تھا۔

گھر کے برآمدے کی سیڑھیوں پر پہونچ کر کلیفورڈ باہنوں کے سہارے اچھل کر حویلی میں استعمال کی جانے والی چھوٹی کرسی میں بیٹھ گیا۔ رکھوالا اکھم کے انتظار میں کلیفورڈ کی طرف دیکھ رہا تھا جب کلیفورڈ گھر کی کرسی میں بیٹھ گیا تو کوتی سہارا دے کر اس کی مفلوج ٹانگوں کو ٹھیک کرنے لگی۔ لیکن کوتی نے جوں ہی کلیفورڈ کی بے جان ٹانگوں کو چھوا، ملارز کو پتہ نہیں کیا ہوا کہ وہ زرد پڑ گیا۔

تب ہی کلیفورڈ نے کہا، "اچھا بھئی ملارز، شکریہ۔ ہم نے تمہیں بہت تکلیف دی"

"نہیں سر۔" ملارز کی بے جان سی آواز آئی "اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟ یہ تو میرا فرض ہے۔"

"اچھا بھئی، اب چلو۔ گڈ بائی!"

"گڈ بائی، سر!"

"بہت بہت شکریہ" کوتی، بلاآرز کو جاتے ہوئے دیکھ کر بولی۔

بلاآرز کو شاید یہ امید نہ تھی کہ کوتی اس سے بات کرے گی۔ اس نے ایک جھٹکے سے کوتی کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لئے دونوں کی آنکھیں مل گئیں۔ پھر گویا یکایک بلاآرز کو اپنی حیثیت کا احساس ہوا اور اس نے سنبھلتے ہوئے کہا، "جی کوئی بات نہیں" اور پھر ذرا سا رک کر تعظیم بجالاتے ہوئے بولا "گڈ بائی۔ میڈم!"

پنج پر کوتی نے کلیفورڈ سے پوچھا، "یہ تمہارا رکھوالا کون ہے؟"

"بلاآرز، اور کون؟"

"ارے نہیں میرا مطلب کہاں سے آیا ہے؟"

"کہیں سے نہیں۔ یہیں کا ہے۔"

"پہلے کیا کرتا تھا؟"

"شاید لوہار تھا۔ دو سال تک جنگلوں میں رکھوالا بھی رہا۔ جنگ شروع ہوگئی تو محاذ پر چلا گیا۔ والد صاحب اس کی بڑی تعریف کرتے تھے، لڑائی سے لوٹا تو میں نے کہا، اپنا آدمی ہے، کہاں لوہار گری میں سڑے گا، چلو جنگل میں ہی رکھ لو۔ بہت مستعد ہے۔"

"شادی شدہ ہے یا کنوارا؟"

"شادی تو ہوئی تھی، لیکن اس کی بیوی...... دراصل وہ عورت آوارہ تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے کئی مردوں کے ساتھ رہی۔ اب سُنا ہے گذشتہ چند برسوں سے یہاں قریب کے گاؤں میں دوبارہ گرہستی جما کر بیٹھ گئی ہے۔"

"تو یہ بالکل اکیلا ہے کیا؟"

"ہاں، اس کی بوڑھی ماں گاؤں میں رہتی ہے۔ اور شاید ایک بچہ بھی ہے۔"

۳

نوکر بیمار تھا۔ اور کلیفورڈ جنگل کے بارے میں کچھ ضروری بات چیت کے لیے ملّا آرز کو بلوانا چاہتا تھا۔ اب مشکل یہ تھی کہ بلانے کے لیے کون جائے۔ جب گھر کا کوئی اور آدمی بیکار نہ ملا تو کونی نے کہا: "ان نوکروں کا غلام بننے کی کیا ضرورت ہے؟ میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔"

جس وقت کونی جنگل میں پہنچی، ہوا بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ شاید کانوں میں بھی کام بند تھا۔ قصبے سے لے کر جنگل تک ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب کچھ ساکت تھا۔ چاروں طرف سر جھکائے کھڑے اونچے بوڑھے درختوں کو دیکھ کر تھکن اور تکلیف کا جال دل کے اطراف کسنا شروع ہو جاتا۔

کونی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ جنگل میں چاروں طرف بھاپ کی طرح اٹھتی ہوئی اداسی نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جنگل کی یہ تنہائی اور اداسی دنیا کی بک بک سے بدرجہا پرسکون تھی۔ اسے محسوس ہوا گویا برسوں سے چپ چاپ کھڑے ہوئے درخت بھی اسی کی طرح منتظر ہیں۔ ایک دن کوئی آئے گا، جنگل کٹنے شروع ہوں گے ۔ . . . .

جھاڑ گرا دیے جائیں گے اور سب کچھ ختم ہو جائے گا..... انتظار .... انتظار

..... انتظار .....

گھنے جنگل کو پار کر کے جب وہ رکھوالے کی جھونپڑی تک پہنچی تو جھونپڑی کے آس پاس بالکل خاموشی تھی۔ جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ بھورے رنگ کے پتھروں سے بنی ہوئی وہ جھونپڑی گویا صدیوں سے خالی پڑی ہو۔ لیکن اسی وقت چھپی سے

دھویں کی ایک ہلکی سی لکیر اٹھی اور جھونپڑی کے سامنے کا صاف ستھرا لان نظر آنے لگا۔
کوتی نے دیکھا، دروازہ بند تھا۔

اتنی دور آجانے کے بعد کوتی نے محسوس کیا کہ وہ جنگل میں اکیلی، ایک اجنبی مرد کو بلانے کے لیے چلی آئی ہے۔ اسے ہلارز کی مست آنکھوں کا خیال آیا، وہ کچھ شرما گئی۔
اسے پہلی دفعہ اس طرح کلیفورڈ کی نوکرانی بن کر پیام لانا لیجانا بہت حقیر لگنے لگا۔
لیکن اتنی دور آجانے پر پیام دینے کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا۔

اس نے آہستہ سے جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر اندر دیکھنے کی کوشش کی، لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس نے دوبارہ کھٹکھٹایا اور کوئی جواب نہ آنے پر دروازے کو کان لگا کر، اندر کی آہٹیں سننے کی کوشش کی۔ تب ہی اس نے محسوس کیا کہ جھونپڑی کے پچھواڑے سے کوئی آواز آرہی ہے۔

اب تک کوئی جواب نہ ملنے سے وہ کچھ جھنجھلانے لگی۔ اس نے پچھواڑے جانے کا ارادہ کیا اور جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ پچھواڑے کی زمین ڈھلوان پر تھی۔ اور بغیر گڑھے ہوئے پتھروں کی ایک باڑھ سے گھری ہوئی تھی۔ موڑ پر جاکر کوتی یکایک ٹھٹھک گئی۔

ہلارز نہا رہا تھا۔ اسے قطعی معلوم نہیں تھا کہ کوتی اسے دیکھ رہا ہوگا۔ جنگل میں اس وقت آ بھی کون سکتا تھا؟ وہ بالکل ننگا پانی کے ایک ٹب پر جھکا ہوا تھا۔ جب وہ مگلیر سے اپنے جسم پر پانی انڈیلتا تو صابن نیچے بہنے لگتا اور جھاگ کے ہٹ جانے سے اس کے لمبے، چھریرے جسم کا نمایاں پن اور بھی واضح معلوم ہونے لگتا۔

کوتی زیادہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکی۔ دبے پاؤں لوٹ آئی۔ ہلارز ـــــ کے ننگے بدن نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کسی جنگلی جانور کی طرح، بالکل اکیلے رہنے والے

جنگل کے باشندہ کا برہنہ حسن، اس کے اپنے جسم کے بیچوں بیچ چبھنے سا لگا۔ اس نے محسوس کیا، اندر کہیں ہلچل مچ گئی ہو۔ پھر اسے اپنے آپ پر کچھ ہنسی اور غصہ بھی آیا۔ اُسے اس طرح کسی آدمی کو نہاتے ہوئے دیکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ لیکن وہ واضح طور پر اس سوال کا جواب نہ ڈھونڈ سکی یسب کچھ گڈمڈ سا ہو گیا تھا۔ وہ یہاں کلیفورڈ کا پیام دینے آئی تھی، اسے کچھ دیر تک ایک پتھر پر بیٹھے رہنے کے بعد یاد آیا۔ اب وہ کپڑے پہن لے تو پیام دے کر واپس چلی جائیں گی، اس نے اپنے آپ سے کہا، اور اسی طرح پتھر پر بیٹھی رہی۔

تب ہی ایک کتا بھونکا، دروازے کے پیچھے کوئی حرکت ہوئی، زنجیر کھلنے کی آواز آئی، اس کا دل بے تحاشا دھڑکنے لگا۔ اسی وقت دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔ ملازم نے دہلیز پر کھڑے کھڑے بڑی بے دلی سے چاروں طرف دیکھا۔ لیکن کونی کو دیکھتے ہی وہ سنبھل گیا اور مسکرا اُٹھا۔

"ارے آپ؟ لیڈی چیٹرلی، اندر آجائیے"

اس نے کونی کو ایسی خوش اخلاقی سے مدعو کیا تھا کہ کمرے میں نہ جانا بُرا لگتا تھا۔ وہ اٹھی اور کمرے میں چلی گئی۔ کمرہ چھوٹا اور دُھندلا تھا۔

"میں سر کلیفورڈ کا ایک پیام لے کر آئی تھی" اس نے اپنی سانس کے اتار چڑھاؤ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ملازم تیکھی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے اس قدر توجہ سے اپنی جانب دیکھتا پاکر کونی کچھ زرد پڑ گئی۔ ملازم کو کمرے کی دھندلی روشنی میں، کچھ خوف زدہ اور شکستہ سی حالت میں کھڑی ہوئی کونی کے حسن کا احساس ہوا۔ اس نے صورت حال کو فطری بنانے کے لیے پوچھا "کیا آپ بیٹھیں گی نہیں، لیڈی چیٹرلی؟"

دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"نہیں، شکریہ۔ میں تو صرف اتنا کہنے آئی تھی کہ مسٹر کلیفورڈ نے آپ کو یاد کیا ہے"
کہتے کہتے دونوں کی نظر ایک بار مل گئی۔ اس بار کوتی کو لگا، جیسے ملارز کی نظر
میں پہلے سے کہیں زیادہ التفات ہے۔

"ٹھیک ہے میڈم، میں ابھی، سر کلیفورڈ کے پاس چلتا ہوں۔"

آنکھیں ملتے ہی کچھ دیر پہلے دونوں کے درمیان جو ہمسری کا تعلق قائم ہوا تھا،
ختم ہو گیا۔ اپنی اپنی سماجی حیثیت یاد آ جانے سے کوتی اور ملارز کے بیچ نوکر اور مالک
کے درمیان قائم رہنے والے مدارج کا پہلو دوبارہ اُبھرنے لگا۔ کونی کو محسوس
ہوا کہ اسے لوٹ جانا چاہیے۔ پھر اس نے کمرے میں سرسری نگاہ سے چاروں طرف
دیکھا اور کہا۔

"کیا آپ یہاں بالکل اکیلے رہتے ہیں؟"

"جی ہاں، بالکل اکیلا رہتا ہوں۔"

"لیکن میں نے سُنا تھا کہ آپ کی ماں ۔۔۔۔"

"ماں تو گاؤں میں رہتی ہیں۔"

"بچی اُن ہی کے ساتھ رہتی ہوگی؟"

"جی ہاں بچی کی دیکھ بھال وہی کرتی ہیں۔"

پھر وہ اپنی بات کو واضح کرتے ہوئے بولا، "لیکن ماں سنیچر کو جھونپڑی کی
صفائی کرنے کے لیے چلی آتی ہیں۔ باقی ہفتے بھر اکیلے ہی کام چلا لیتا ہوں۔"
کوتی نے دوبارہ اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں طنز کی ہلکی سی
چمک تھی۔ کبھی کبھی جب یہ چمک ٹمٹماتی ہوئی سُلگ اٹھتی تو اس کے چہرے کی لکیریں
گہری پڑ جاتیں۔

کوتی نے محسوس کیا گویا وہ بہت کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔

صرف اتنا بولی، "میرا خیال ہے کہ میں اس طرح اچانک آکر آپ کے کام میں مُخل تو نہیں ہوئی؟"

جواب میں ملّارز نے کچھ نہیں کہا۔ صرف وہی طنزیہ ہنسی، ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر اُبھر آئی۔

پھر وہ بولا، "اگر آپ اجازت دیں تو میں کنگھی کر لوں۔ معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو میرا انتظار کرنا پڑا۔ دراصل یہاں کوئی آتا جاتا نہیں، اسی لیے کئی بار بھی دروازہ کھٹکے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہوا چل رہی ہوگی۔"

وہ کمرے سے نکل کر پچھواڑے کی جانب چلا گیا۔ اسے جاتا دیکھ کر کوتی نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ وہ کتنا چھریرا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی احساس ہوا کہ اسکے بالوں اور آنکھوں میں ایک جان دار چمک ہے۔

"اس کی عمر شاید ۳۷ یا ۳۸ سال ہوگی، کوتی نے سوچا، دیکھنے میں بھی عام آدمیوں کی طرح لگتا ہے لیکن پھر بھی سب سے الگ ہے۔ الگ اور غیر معمولی۔"

اور دوسری طرف ملّارز اندر آتے ہوئے سوچ رہا تھا، "قاعدہ کی عورت ہے، سمجھدار اور بھولی۔"

۴

اس دن سونے سے پہلے کوتی نے بہت دنوں بعد آئینے کے سامنے سارے کپڑے اتار کر، اپنے ننگے جسم کو غور سے دیکھا۔ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے... لیکن اپنے پتلے، اچھوتے اور کسمساتے ہوئے جسم کا ننگا عکس دیکھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ وہ ادھوری ہے۔ ان برسوں میں کچھ

ادھورا چھوٹ گیا تھا جیسے پورا کیے بغیر، دن بدن جکڑتی ہوئی تنہائی کے شکنجے سے چھوٹنا ناممکن تھا۔

کسی زمانے میں کوکی کا جسم ایسا تھا گویا سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ وہ زیادہ لمبی تو نہیں تھی لیکن اس کے جسم میں ایک تناسب تھا۔ یہ تناسب اب بھی باقی تھا، لیکن بھراؤ نہیں تھا۔ ماںتا کی جسمانی کیفیت سے بچی رہنے کے باوجود اس کے اعضاء میں تو بھر تیلاپن تھا اور نہ ہی گٹھیلاپن۔ استعمال نہ کی جانے والی چیزوں پر لگ جانے والے زنگ کی طرح، اس کے سارے جسم پر ایک ڈھیلاپن پھیل جانے سے اس کا حسن کسی سیلی ہوئی دیوار کی طرح پھیکا پڑ گیا تھا۔

آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم بے معنی ہوتا جا رہا ہے۔ ۲۷ سال کی عمر میں ہی بڑھیا ہو گئی ہے اور اس کے جسم کی پوری کشش گھٹتی جا رہی ہے۔ ظاہری چمک دمک ہوتے ہوئے بھی اندر کے کھوکھلے پن کا کھڑکھڑ بجتا ہوا آسیب جیسا خوف سا اس نے اپنی کمر، کولھوں اور جانگھوں کو غور سے دیکھا، وہ پہلے ہی دبلی ہو گئی ہو، لیکن اس دُبلے پن میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ اس کے کولھوں کا بھاری پن بھی سوکھ سا گیا تھا۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے اسے یاد آیا کہ سترہ سال کی عمر میں اس کا جسم کتنا پر کشش تھا۔ پچھلے دس سال پھڑپھڑاتے ہوئے اس کے کندھوں پر سے گذر گئے۔ دس سال۔ اس نے سوچا، پتہ نہیں صرف لمس سے روئیں روئیں میں آگ سُلگا دینے والا وہ جرمن لڑکا اب کہاں ہوگا؟ اس جرمن لڑکے کی یاد آتے ہی اسے محسوس ہوا کہ دنیا مردوں سے خالی ہو گئی ہے اور بچے کچھے مرد کبوتروں سے زیادہ تگڑے نہیں ہیں۔ کہاں دو منٹ میں ہانپتے ہوئے، نڈھال ہو کر منزل ہو جانے والے جنٹلمین اور کہاں وہ لہو کو گرما دینے والے، جلد کو چھیلتے ہوئے کھردرے ہاتھوں کی مضبو

گرفت۔ وہ جرمن لڑکا اب کہاں ہوگا، اس نے دوبارہ سوچا۔

پھر وہ جیسے تیسے نائٹ ڈریس پہن کر بستر پر اوندھی جا پڑی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی یکایک اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پچھتاوے اور مجبوری کے آنسو۔ اس کے دل میں کلیفورڈ کے مضامین اور لمبی چوڑی باتوں کے خلاف غصہ کی ایک تلخی سلگنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ سارے مرد، جو اس طرح اپنی عورتوں کو جسمانی لذت سے محروم رکھتے ہوئے اپنی عظمت کا ڈھونگ رچاتے ہیں، سزا کے قابل ہیں اور انہیں سزا دینا اس کا کام ہے۔

لیکن صبح وہ پھر اسی طرح سات بجے اُٹھی اور نیچے چلی آئی۔ روز صبح اُٹھ کر کلیفورڈ کے حوائج ضروریہ سے نمٹنا اس کے ذمے تھا۔ چونکہ وہ یہ کام نوکروں سے کروانے کے سخت خلاف تھا۔ لہذا انہیں وہی کرتی۔ اس لیئے اسے ہمیشہ رگبی میں رہنا پڑتا۔ وہ کبھی بھی طویل عرصے کے لیئے باہر نہ جا پاتی۔ اگر کبھی کبھار جانا بھی پڑتا تو گھر کی بڑی نوکرانی مسز بیٹس، کلیفورڈ کی دیکھ بھال کرتی۔

کلیفورڈ کی دیکھ بھال کرنا کونی اپنا فرض سمجھتی تھی۔ لیکن اکثر اسکے دل میں کہیں نہ کہیں یہ جذبہ ضرور مچل مچا تا رہتا تھا کہ اس سے ناانصافی ہو رہی ہے۔ حق تلفی کا احساس اسے دن رات آہستہ آہستہ کونچتا رہتا۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں کلیفورڈ کا کوئی قصور نہ تھا۔ کلیفورڈ کی حالت تو اس سے بھی زیادہ قابل رحم تھی۔ لیکن پھر بھی وہ چاہتا تو جسمانی سُکھ کے بدلے کم سے کم محبت تو دے ہی سکتا تھا۔ لیکن اس کے برتاؤ میں ایک ایسا مہذب اجنبی پن تھا کہ کونی دن بدن اس سے دور ہوتی جاتی۔

مرد کی چھاؤں کے لیئے دھوپ میں تپتی ہوئی عورت!

احتجاج کی ایک آگ کونی کے دل میں رات دن سلگتی رہتی۔ ان ساری باتوں کا کیا مطلب تھا؟ اس کی کلیفورڈ کے لیئے محبت اور قربانی کس کام آ رہی تھی؟ آخر وہ

کس کی خدمت کر رہی تھی؟ ایسے سینکڑوں سوال اس کے دماغ میں منڈلاتے رہتے۔ اسے محسوس ہوتا کہ کلیفورڈ ادب کی خدمت نہیں کر رہا ہے بلکہ کامیابی کے پیچھے دوڑتے ہوئے لالچی کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپ رہا ہے۔ اُف! وہ سوچتی اور سوچ سوچ کر کڑھتی رہتی۔

آخر تنگ آکر اپنے مسئلہ کا حل ڈھونڈنے کے لیئے اس نے اپنی بڑی بہن ہلڈا کو خط لکھا۔ ہلڈا ان دنوں اسکاٹ لینڈ میں تھی۔ خط ملنے کے کچھ دن بعد ہی وہ رنگ برنگی کپڑے پہنے ایک چھوٹی سی دو سیٹ والی اسپورٹ کار میں رگبی آپہنچی۔

"کیا بات ہے کونی؟" ہلڈا نے ملتے ہی پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" کونی نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

لیکن کوئی بھی تیسرا آدمی یہ سن کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ کونی سچ بولنے سے کترا رہی تھی۔ قدرت نے دونوں بہنوں کو برابر برابر حسن دیا تھا۔ دونوں کی جلد ملائم، بال سنہرے اور جسم چھریرے تھے۔ لیکن جہاں ایک طرف ہلڈا کی ساری شخصیت میں شباب ٹھاٹیں مارتا تھا۔ کونی کو دیکھ کر کسی پھول کی مرجھائی ہوئی پنکھڑی کا احساس ہوتا تھا۔

"لیکن تمہیں تو بیمار تھی کیا؟" ہلڈا نے کونی کے لفظوں میں پوشیدہ معنی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ بیمار تو نہیں تھی۔ لیکن شاید بور ضرور ہو گئی تھی۔"

"یہ جگہ ہی کم بخت ایسی ہے۔" ہلڈا نے چاروں طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہلڈا جب کلیفورڈ سے ملی تو وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال اچھی طرح کڑھے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑوں کو دیکھ کر بھی یہی لگتا تھا کہ وہ فیشن کے ساتھ ساتھ لباس بدلتا رہا ہے۔ کلیفورڈ کو ویسے بھی جاذب نظر دکھائی دینے کے لیئے بن سنور کر، پُر وقار بنے رہنے کا شوق تھا۔ لیکن ہلڈا اس کے سارے جذب پن کو بناوٹی سمجھ کر اس کی انکساری کو زیادہ اہمیت نہ دیتی۔ آج تو ویسے بھی وہ ذرا جھگڑنے کے موڈ میں تھی۔

"کوتی کچھ بیمار سی نظر آتی ہے۔" ہلڈا نے سرسری طور پر بات شروع کرتے ہوئے کہا۔
کلیفورڈ اچھی طرح جانتا تھا کہ ظاہری طور پر پرسکون اور ساکت دکھائی دیتی ہوئی بھی ہلڈا بڑی ضدی ہے۔ اس لئے اس نے شروع ہی سے بات کو خواہ مخواہ تلخ ہونے سے بچانے کے لیئے کہا " ہاں، کچھ دُبلی تو ہوگئی ہے۔"
"دُبلی؟ بیمار شخص دُبلا نہیں تو کیا موٹا ہوگا؟ آپ نے اس کی صحت ٹھیک کرنے کے لیئے کیا سوچا ہے؟"
"میں نے اس بارے میں کیا ...... بھائی یہ عورتوں کے روگ ....."
کلیفورڈ نے جملے کو ادھورا چھوڑ دینے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی۔
ہلڈا نے تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہ دیا۔ بس صرف بیٹھی اسے گھورتی رہی۔ پھر جب خاموشی ناقابلِ برداشت ہوگئی تو بولی، " میں اسے ڈاکٹر کو دکھانا چاہتی ہوں، کیا یہیں آس پاس میں کوئی ڈاکٹر ہے "
" مجھے اس بارے میں کوئی خاص واقفیت نہیں، ہلڈا "
"تو پھر میں اسے لندن لے جاؤں گی۔ وہاں ہمارا اپنا فیملی ڈاکٹر ہے۔ وہ کوتی کا معائنہ کرنے کے بعد کوئی نسخہ لکھ سکے گا۔" ہلڈا نے کہا۔
کلیفورڈ کو غصہ تو بہت آیا، مگر وہ چپ رہا۔
" آج رات میں یہیں رہوں گی۔" ہلڈا نے دستانے اتارتے ہوئے کہا، " کل میں اسے ساتھ لے کر باہر جاؤں گی۔"
کلیفورڈ غصے سے زرد پڑ گیا تھا۔ ہلڈا، کلیفورڈ کے غصے کو سمجھ رہی تھی اور بن رہی تھی، تھوڑی دیر پھر بولی، " میرا خیال ہے کہ تمہاری دیکھ بھال کرنے کے لیئے کوئی نرس ہونی چاہئیے۔"
" کیوں، تم ایسا کیوں سمجھتی ہو؟" کلیفورڈ نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتی ہوں کہ ایک نرس کا ہونا ضروری ہے اور پھر ڈیڈی بھی کوتی کو تین چار مہینے کے لیے اپنے ساتھ لے جانے کی سوچ رہے ہیں۔ اور پھر یہ آخر کب تک چل سکتا ہے؟"

"کیوں، چل کیوں نہیں سکتا؟"

"تم نے کوتی کو دیکھا ہے؟" ہلڈا نے سیدھے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

جنگ کے بعد کلیفورڈ اسپتال میں ایک عرصہ تک نرسوں کے ہاتھ میں رہا تھا۔ دراصل اسے یہیں سے نرسوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ نرسوں کے سپرد ہو جانے پر زندگی میں کوئی پردہ داری نہیں رہ جاتی۔ اس کا مفلوج ہونے کا قابل رحم احساس اور بھی تیکھے انداز سے تلخ ہو جاتا اور نوکروں۔۔۔۔۔ ایسے معاملوں میں تو نوکروں سے وہ اور بھی زیادہ نفرت کرتا تھا۔

لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ ہلڈا جیسی ضدی عورت کو روکنا مشکل ہے، وہ چپ ہو رہا۔ صبح دونوں عورتیں چلی گئیں۔ جاتے وقت کوتی کے چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ گویا وہ بھی شہر کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی اور مرضی کے خلاف بے دلی سے جا رہی ہو۔

لندن میں ڈاکٹر نے کوتی کا معائنہ کرنے کے بعد کہا، "کبھی کبھی میں نے آپ دونوں ــــ آپ کا سر کلیفورڈ کا ــــ فوٹو اخباروں میں ضرور دیکھا ہے، لیکن ملنے کا موقع خوش قسمتی سے آج حاصل ہو رہا ہے۔ مجھے معاف کیجئے گا۔۔۔۔ یہ ساری شہرت، اخباروں میں فوٹو۔۔۔ ان سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ سر کلیفورڈ سے کہئے کہ آپ کو باہر سفر پر لے جائیں۔ آپ کا دل بہلانا بہت ضروری ہے۔ اور پھر یہ غیر فطری پرہیز۔ اس پرہیز سے آپ کے پھیپھڑوں میں کمزوری اُبھرنے لگی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔۔۔ مجھے معاف کیجئے گا،" اس نے دوبارہ گلا صاف کرنے کے بعد دوسری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے لیے فطری طور سے جینا بہت ضروری ہے۔ اُداسی سے بچیے۔ ایسے کب تک چلے گا؟ زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔"

ہلڈا بالکل چپ چاپ بیٹھی ڈاکٹر کی باتیں سنتی رہی۔ شاید دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کر رہی تھی۔

شام کو میکالمس آیا۔ وہ تحفہ دینے کے لیئے بہت سے گلاب کے پھول لایا تھا۔ آتے ہی بولا "مجھے پتہ چلا کہ تم شہر میں ہو" وہ اس نے اسکول کے بچوں کی طرح جوش میں کہا، لیکن پھر کوئی کو چپ چاپ پا کر کچھ ٹھنڈا ہو گیا اور پوچھنے لگا "کیا بات ہے کوئی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بالکل بدل گئی ہو۔ کہیں بیمار تو نہیں ہو؟ اگر ایسا تھا تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ آؤ تمہیں کسی لیے چلیں۔ تمہیں دھوپ کی روشنی کی اور گرمی کی ضرورت ہے۔ چلو یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آفریقہ چلتے ہیں۔ گولی مارو سر کلیفورڈ کو۔ طلاق کی درخواست دے دو۔ عدالت سے اجازت ملتے ہی ہم دونوں شادی کریں گے۔ رگبی میں تو تمہاری موت ہو جائے گی۔"

لیکن کلیفورڈ کو چھوڑنے کی بات کے خیال سے ہی کوئی کا دل ڈوبنے لگتا تھا کلیفورڈ کو چھوڑنا اس کے لیئے ناممکن تھا۔ . . . بالکل ناممکن۔

کوئی کی یہ وابستگی دیکھ کر میکالمس کا جی کتنا ہو گیا۔ ہلڈا بھی میکالمس کو کوئی آدمی نہ سمجھتی تھی، لیکن کلیفورڈ کے مقابلے میں تو اس کے لیے دنیا کے سب ہی مرد بہتر تھے۔

رگبی واپس لوٹنے پر ہلڈا نے دوبارہ کھل کر گفتگو کی۔ اس نے کلیفورڈ کو ڈاکٹر کے نسخے کے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا، البتہ ڈنر کے بعد کافی کے وقت وہ بولی "مجھے ڈاکٹر نے نوکر کا پتہ دیا تھا۔ یہ آدمی پہلے بھی ایک مریض کی تیمارداری کرتا تھا۔ لیکن گذشتہ مہینے مریض مر گیا۔ اب یہ آدمی بیکار ہے"

لیکن میں مریض نہیں ہوں۔ . . . اور میں نوکروں کو برداشت نہیں کر سکتا۔" کلیفورڈ نے سختی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ دو نوکرانیوں کے پتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو میں خود جانتی ہوں۔

تک مجھ بچاس کی ہوگی، لیکن اتنی محنتی اور فرماں بردار ہے کہ بس دیکھتے ہی بنتا ہے۔"

کلیفورڈ نے کچھ کہنے کے لیئے منہ کھولا لیکن نہ جانے کیا سوچ کر چپ ہوگیا۔

ہلڈا سمجھ گئی کہ اب کلیفورڈ اپنے بچاؤ کے لیئے بحث کرنے کی بجائے خاموش رہنا زیادہ پسند کریگا۔ لہٰذا اس نے صاف صاف الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا، "اچھی بات ہے کلیفورڈ۔ اگر تم نے کل تک کوئی فیصلہ نہ کیا تو میں کل ڈیڈی کو تار دے دوں گی اور ہم کونی کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ پھر تمہارا جو جی چاہے کرنا۔"

"لیکن تم نے کونی سے بھی پوچھا ہے ؟ کیا وہ مجھے اس طرح چھوڑ کر جانا پسند کریگی؟" کلیفورڈ نے رقت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ممی بھی ایسی ہی گھٹن سے تڑپ تڑپ کر مری تھیں۔ ہم کونی کو یہاں تنہائی میں گھٹ گھٹ کر دق کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔"

دوسرے دن مسز بولٹن کو سر کلیفورڈ کی دیکھ بھال کے لیئے نرس کے طور پر مقرر کردیا گیا۔

۵

مسز بولٹن کے آجانے سے کونی کو کافی وقت ملنے لگا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی، پیانو پر دھنیں بناتی رہتی۔ آہستہ آہستہ کمرے میں اکیلے رہنے کی اتنی عادی ہوگئی کہ اسے کلیفورڈ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی برا لگنے لگا۔ کلیفورڈ تھا بھی کچھ باتونی قسم کا آدمی۔

جب تک کونی اس کے ساتھ ہوتی، وہ اسے خوش کرنے یا اپنی بھڑاس نکالنے کے لیئے کچھ نہ کچھ بولتا ہی رہتا۔ برسوں تک کونی نے کلیفورڈ کے لمبے لمبے لیکچر، آنکھوں سے پیار ٹپکاتے ہوئے سنے تھے۔ لیکن اب شاید اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اسے یکایک

محسوس ہونے لگا کہ وہ تنہائی میں زیادہ خوش رہتی ہے۔

کچھ پودے ایسے ہوتے ہیں جو پوری طرح نمو پانے کے بعد آہستہ آہستہ مرنے لگتے ہیں کوتی کا کلیفورڈ سے پیار بھی اسی طرح کا تھا۔ نقطۂ عروج تک پہنچنے کے بعد آہستہ آہستہ مرنے لگا تھا۔ لیکن سوکھ جانے پر بھی جڑیں زمین سے چمٹی رہتی ہیں، اسی طرح الگ ہو جانے پر بھی کوتی، کلیفورڈ سے پوری طرح الگ نہیں ہوئی تھی۔ اس کی شخصیت تنہائی پسند ہو جانے پر بھی بے شمار بندھنوں میں کلیفورڈ سے بندھی ہوئی تھی۔

اس الجھن سے چھٹکارا پانے میں مسز بولٹن نے کوتی کی بڑی مدد کی۔ حالانکہ کلیفورڈ اب بھی شام کو کوتی کے ساتھ سیر کو جاتا اور ڈنر کے بعد اسے اپنی تخلیقات پڑھ پڑھ کر سناتا تھا، لیکن مسز بولٹن کے آ جانے سے دونوں کو الگ الگ رہنے کا موقع مل گیا تھا۔ مسز بولٹن کی موجودگی میں کلیفورڈ کو بھی کوتی کی کمی کچھ خاص نہ کھلتی۔ اب کوتی کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ کر اسی کوشش میں لگی رہتی کہ شام کو سیر کے وقت یا رات کے کھانے کے بعد کلیفورڈ، مسز بولٹن کی دیکھ بھال سے مطمئن ہی تھا۔

اس طرح کلیفورڈ کو مسز بولٹن کے ہاتھوں میں محفوظ پا کر، کوتی یہ محسوس کرتی کہ وہ نجات پا گئی ہے۔ حالانکہ بہت سے جنجال بھی باقی تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ آزاد محسوس کر رہی تھی۔

مسز بولٹن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ کوتی کسی نہ کسی طرح اداسی اور اکیلے پن سے بچی رہی۔ ایک عورت ہونے کے ناطے اس کے دل میں کوتی کے لیے گہری ہمدردی تھی۔ وہ ہمیشہ اسے جنگل میں ٹہلنے، وقت مقررہ پر کھیلنے اور لوگوں کے ساتھ ہنسنے بولنے پر راغب کرتی رہتی۔

ہلڈا کو رخصت ہوئے ایک مہینہ ہوا ہوگا کہ ایک دن مسز بولٹن نے کوتی سے کہا، "کتنا اچھا موسم ہے۔ آپ جنگل میں جا کر ٹہل کیوں نہیں آتیں؟ ورزش بھی

ہو جائے گی اور زن بھی نکھار ہے گا۔ اور ہاں، دیکھئے، بھول لانا نہ بھول لیجئے گا۔ رکھوالے کی جھونپڑی کے پچھواڑے تو ایسے خوبصورت ڈیفوڈلس کھلتے ہیں کہ کیا بتاؤں؟"

کوتی نے بھی محسوس کیا کہ اس طرح ایک سیپی میں گھٹ گھٹ کر سڑنے کا کیا فائدہ ہے؟ وہ پچھلے کئی برسوں سے موسم کا آنا جانا تک بھول گئی تھی۔ لیکن اب مسز بوٹش نے ڈیفوڈلس کی بات کی تو اس نے محسوس کیا کہ بہار لوٹ آئی۔

مارچ کی ہواؤں سے نہایا ہوا جنگل سورج کی میٹھی روشنی میں چمک رہا تھا۔ راستے کے چاروں طرف پھولوں سے ڈھکی ہوئی زمین پر سے گذرنے والی خوشبودار ہواؤں میں چلتے ہوئے کوتی نے محسوس کیا جیسے کبھی کبھی برسوں تک چپ رہنے کے بعد بھی آدمی بوڑھا نہیں ہوتا اور کبھی کسی دوپہر میں یکایک جنگلی پھولوں کو چھو کر لڑکپن ہولے ہولے کپٹیاں تھپتھپانے لگتا ہے۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہی ہے۔ لیکن جب چڑھائی ختم ہو جانے کے بعد میدان بھی آدھا طے ہو گیا تو سامنے بھورے رنگ کی دیواریں دیکھ کر اس نے سمجھا کہ وہ رکھوالے کی جھونپڑی تک آ پہنچی ہے۔ وہ جھونپڑی کے قریب چلی گئی۔ دروازہ بند تھا۔ نہ چمنی میں دھواں تھا، نہ پچھواڑے میں کتے کے بھونکنے کی آواز۔ اسے یاد آیا کہ مسز بوٹش نے جھونپڑی کے پچھواڑے کھلے ہوئے ڈیفوڈلس کی تعریف کی تھی، وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی پچھواڑے پہنچ گئی۔

سامنے لاتعداد چھوٹے چھوٹے ڈیفوڈلس ہوا کی دھن پر ٹھمک رہے تھے۔ کوتی چیڑ کے ایک درخت کے تنے سے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ بہکتی ہوئی ہوا کے ساتھ ساتھ جھومتے پھولوں کی پنکھڑیوں کو دیکھتے ہوئے کوتی کو محسوس ہوا کہ گویا وہ اب تک کسی جہاز سے بندھی ہوئی چھوٹی سی کشتی کی طرح بے دل، بے بس، مجبور کھنچی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ لیکن اب جنگل میں آ کر آزاد ہو گئی ہے۔

دھیرے دھیرے روشنی سفید سے سنہری اور سنہری سے مدھم پڑتی گئی۔ ڈیفوڈِلس پرچھائیوں سے ڈھک گئے اور ہوائیں رات کی ٹھنڈک سے بوجھل ہونے لگیں۔

وہ آہستہ سے اٹھی۔ اس نے کچھ ڈیفوڈِلس توڑے اور ڈھلوان پر سے اُترتی ہوئی گھر کی طرف چلنے لگی۔ ویسے اس کا دل گھر لوٹنا نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے حویلی سے، حویلی کی بڑی بڑی دیواروں سے اور حویلی میں رہنے والوں سے نفرت ہونے لگی تھی۔

جب وہ گھر پہنچی تو کلیفورڈ نے پوچھا، "کہاں گئی تھیں؟"

"جنگل میں،" کونی نے جواب دیا۔ "دیکھو، کتنے پیارے ڈیفوڈِلس ہیں! حیرت ہوتی ہے کہ ایسی ایسی چیزیں زمین کی کوکھ سے کیسے پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں، ہوا اور روشنی اچھی ہے تو پھول آپ سے آ۔ ۔ ۔"

"ہوا اور روشنی نہیں، زمین۔ ۔ ۔ سب چیزیں زمین کی کوکھ سے ہی پیدا ہوتی ہیں،" کونی نے کچھ تیز لہجے میں کہا۔

کلیفورڈ کو کونی کے اس طرح بات کاٹنے پر تعجب ہوا۔ عام طور پر کونی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بحث نہیں کرتی تھی۔

دوسرے دن دوپہر کو کونی پھر جنگل میں سیر کے لیے نکل گئی۔ لوٹتے وقت اسے کھٹ کھٹ کی کچھ آوازیں سنائی دیں۔ آوازیں بیچ جنگل سے آ رہی تھیں۔ کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا، شاید کوئی لکڑہارا ہوگا۔ لیکن جنگل کلیفورڈ کی ذاتی ملکیت تھی اور کلیفورڈ کو جنگل سے اتنا پیار تھا کہ کسی لکڑہارے کو درخت کاٹنے کی اجازت دینے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا تجسس اتنا بڑھ گیا کہ اس نے آواز کی سمت بڑھنا شروع کر دیا۔

آگے جا کر درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس اس نے پہلی بار دیکھا کہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی راستے سے کٹ کر جھرمٹ میں چلی گئی ہے۔ تب ہی کتے کے بھونکنے کی آواز

آئی اور دو منٹ بعد ہی ایک کتا دوڑا دوڑا آیا۔ ملارز کتے کے پیچھے ہی تھا۔ شاید اسے امید نہ تھی کہ اس طرح جنگل میں کوتی سے اچانک ملاقات ہو جائے گی۔ اسی لیئے اچانک مالکن کو اپنے سامنے پاکر پہلے تو وہ ٹھٹکا، پھر سلوٹ کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اسکی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ اسے کوتی کا آنا قطعی اچھا نہیں لگا ہے۔

"شاید یہ اپنی تنہائی میں ذرا سی مخل اندازی بھی پسند نہیں کرتا، کوتی نے سوچا۔

"یہ کھٹ کھٹ کی آواز کیسے آرہی تھی؟" کوتی نے پوچھا۔ اس نے پوچھ تو لیا لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس طرح اس کا یکا یک ملارز سے سامنے ہو جانے سے وہ کچھ کمزور اور خوف زدہ محسوس کر رہی ہے۔

"جی میں ذرا لکڑیوں کے کچھ چوکھٹے تیار کر رہا تھا۔ مرغیوں کا موسم آرہا ہے۔ جوڑوں کو محفوظ رکھنے کے لیئے کٹگھروں کی ضرورت پڑے گی"

کوتی کے سمجھ میں نہ آیا کہ بات جاری رکھنے کے لیئے آگے کیا کہے۔

"کیا میں کہیں بیٹھ سکتی ہوں؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"آپ چاہیں تو جھونپڑی میں ہی بیٹھ جائیے" اور کوتی کے اندر جانے پر اس نے لکڑی کی بیٹوں سے بنی ہوئی ایک کرسی پیش کرتے ہوئے کہا، "ٹھنڈ ہو گئی ہے، آپ کہیں تو آگ جلا دوں"

"ارے نہیں، اتنی جھنجھٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" کوتی نے جواب دیا۔ لیکن ملارز نے آتش داں میں آگ جلا ہی دی اور بولا، "آپ ذرا آگ کے نزدیک آکر بیٹھ جائیں"

کوتی اٹھ کر آگ کے پاس بیٹھ گئی۔ ملارز کی شخصیت میں مردانہ بے باکی اور شادابی تھی، جو عورت کو چاروں طرف سے لپیٹ کر حکم کی تعمیل کرنے کے لیئے مجبور کر دیتی ہے۔ کوتی نے کچھ دیر ہاتھ سینکے۔ جب ملارز اور لکڑیاں لینے کیلئے

باہر چلا گیا تو وہ کمرے کا معائنہ کرنے لگی۔ کرسی کے علاوہ جھونپڑی میں ایک میز، ایک بڑھئی کا تختہ، ایک بکس، کچھ آوزار اور کیلیں ایک جگہ پڑے تھے۔ ایک کلہاڑی اور کوٹ کھونٹی پر لٹک رہا تھا۔ دیواروں میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ ہوا اور روشنی کا واحد راستہ دروازہ تھا۔ سامان بے ڈھنگا پڑا ہوا تھا، لیکن اس لاپرواہی میں بھی ایک سلیقہ اور سادگی تھی۔

وہ باہر لکڑیوں پر پڑتی ہوئی کلہاڑی کی کھٹ کھٹ سنتی رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ آدمی اُلجھا ہوا ہے اور ایک ایسی منزل پر پہنچ گیا ہے، جہاں وہ صرف اکیلا چھوڑ دیا جانا چاہتا ہے۔ لیکن بالکل اکیلا رہنا بھی بالکلیہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایک ملازم پیشہ آدمی اپنے مالکوں کے سابقے سے کیسے بچ سکتا تھا۔

لیکن سچ تو یہ تھا کہ ملازم عورتوں سے برائے نام بھی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر لگتا تھا۔ پچھلے واسطوں کے گھاؤ اتنے گہرے تھے کہ اسے لگتا کہ اگر وہ اکیلا نہیں چھوڑ دیا گیا تو کسی بھی عورت سے وابستگی کی بار بار ٹھیس لگنے کی تکلیف ہی اس کی جان لے لے گی۔ اس کا آخری سہارا جنگل تھا ـــ تنہا جنگل ـ جنگل میں نکال دیے جانے کا واحد مطلب تھا' ننگی موت ـــ اسے محسوس ہوا کہ وہ کونی سے نفرت کرتا ہے۔ دنیا کی تمام عورتوں سے نفرت کرتا ہے۔

آگ کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد کونی کو گرمی لگنے لگی تھی۔ اس نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ "شکریہ" وہ جھونپڑی سے باہر نکل کر بولی، "میں یہاں پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔"

"کبھی نہیں؟"

"ہاں، لیکن اب شاید کبھی کبھی آیا کروں۔"

"کیوں؟"

"جب تم یہاں نہیں ہوتے تو یہاں تالا لگا رہتا ہے؟"

"جی۔"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے پاس بھی یہاں کی ایک چابی رہے تاکہ میں تمہاری غیر موجودگی میں بھی یہاں بیٹھ سکوں۔"

"جی، دو چابیاں تو نہیں ہیں، چابی تو ایک ہی ہے"

"شاید یہ آدمی مجھے یہاں نہیں آنے دینا چاہتا، کوئی نے سوچا۔

"جی، سر کلیفورڈ کے پاس شاید دوسری چابی ہو۔"

"ٹھیک ہے، اس وقت تک تم اپنی چابی مجھے دے سکتے ہو۔ اور اگر سر کلیفورڈ کے پاس دوسری چابی نہ ہوئی تو نئی بنوا لینا۔"

"لیکن میں تو اس پاس کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو دوسری چابی بناتا ہو۔"

اس پر کونی کو غصہ آگیا۔ لیکن وہ اپنے کو سنبھالتے ہوئے بولی "اچھا، ٹھیک ہے۔"

"جی۔"

ایک لمحہ کے لیئے دونوں کی نظریں ٹکرا گئیں۔ کونی کے آنکھوں میں جھلاہٹ تھی۔ میلارز کی آنکھوں میں بے رخی تھی۔

"اچھا، گڈ بائی۔"

"گڈ بائی، مالکن۔"

یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔ کتا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کونی کی جھلاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔ اس کے دل میں عورت کی مجبوری کے تعلق سے غصہ سلگنے لگا۔ وہ مالکن تھی۔ لیکن اس آدمی کے سامنے بے بس تھی۔ بالکل بے بس۔

جب کونی واپس پہونچی تو مسز بولٹن برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

"کیسے کھڑی ہو؟" کونی نے پوچھا۔

"یونہی، آپ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔"

"کیوں، مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟" کوئی نے کہا۔

"نہیں، دیر تو نہیں ہوئی، لیکن مسٹر کلیفورڈ چائے پینے کے لئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"

"تو تم چائے پلا دیتیں۔"

"جی نہیں، میرا خیال ہے کہ وہ چائے کی میز پر میری جگہ آپ کی موجودگی زیادہ پسند کرتے ہیں" مسز بولٹن نے انکساری سے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟ کیوں؟" کوئی کچھ جھنجھلا کر اندر جاتے ہوئے بولی۔

اندر کمرے میں کلیفورڈ ایک کتاب کھول کر بیٹھا ہوا تھا "مجھے دیر تو نہیں ہو گئی کلیفورڈ؟" اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھولوں کے گچھے نیچے رکھ کر کوئی نے کلیفورڈ کو منانے کے انداز میں کہا "خواہ مخواہ میرا انتظار کیا۔ میں نہیں تھی تو مسز بولٹن سے چائے کے لئے کہہ دیا ہوتا۔"

"لیکن تم ساری دوپہر کہاں گم ہو گئی تھیں؟" کلیفورڈ نے کتاب سے نظر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس، یونہی جنگل میں چلی گئی تھی۔ پتہ ہے، وہاں کتنے سارے پھول کھلے ہوئے تھے کہ بس" کہتے کہتے اس نے اپنا اسکارف نکالا اور بیٹھ کر چائے پینے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اسے جھونپڑی والی بات یاد آئی تو اس نے کلیفورڈ سے پوچھا،

"تمہارے پاس اس جھونپڑی کی کوئی دوسری چابی ہے کیا؟ میں آج وہیں گئی تھی۔ مجھے وہاں کی تنہائی بڑی بھلی لگی۔ سوچتی ہوں، آئندہ سے جنگل میں جا کر وہیں بیٹھا کروں گی۔"

"چابی... وہیں تھا کیا؟" کلیفورڈ نے پوچھا۔

"ہاں، کچھ مٹھو کا پیٹی کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگل کو اپنی جائداد سمجھتا ہے اور میرا وہاں آنا جانا تک پسند نہیں کرتا۔ میں نے جھونپڑی کی دوسری چابی کی بات کہی تو پہلے تو ٹال گیا، پھر بدتمیزی سے الٹے سیدھے جواب دینے لگا"

"کیا کہہ رہا تھا؟" سر کلیفورڈ نے پیالہ نیچے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"خیر اس نے کوئی ایسی خاص بے ڈھنگی بات تو نہیں کہی لیکن پھر بھی اس کی گفتگو سے اتنا واضح تھا کہ جنگل میں کسی کے آنے جانے سے اسے اپنی آزادی میں خلل اندازی معلوم ہوتی ہے"

"ہاں، دراصل آدمی کچھ مغرور قسم کا ہے" سر کلیفورڈ نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا، "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مِنیس مارخاں سمجھتا ہے۔ میں نے تمھیں بتایا تھا کہ اس کی بیوی بدچلن تھی۔ جنگ شروع ہوتے ہی یہ فوج میں شامل ہوکر ہندوستان چلا گیا۔ وہاں کسی کرنل نے خوش ہوکر اسے کمیشن دلوا کر لفٹننٹ بنادیا۔ پھر شاید یہ کچھ دنوں تک افغانستان میں رہا۔ پچھلے سال لوٹا تو اسے بڑی دشواری محسوس ہوئی۔ کہاں لفٹننٹ کا رعب اور کہاں ایک چھوٹے سے قصبے میں آہن گری۔ شاید اسی لیئے کچھ بھنایا سا رہتا ہے"

٦

کونی اب اور بھی تنہا ہوگئی تھی۔ بہت کم لوگ رگبی آتے تھے۔ کلیفورڈ نے اپنے آپ کو بالکل سمیٹ لیا تھا۔ وہ اجنبیوں سے کتراتا۔ بس ریڈیو سننا، اس کا واحد شوق رہ گیا تھا۔ ریڈیو نیا نیا آیا تھا۔ وہ صبح سے شام تک ریڈیو کے پاس بیٹھا رہتا اور دنیا کا کوئی نہ کوئی اسٹیشن ملا کر، ہر وقت کچھ نہ کچھ سننے کی کوشش کرتا۔ کیا وہ واقعی کچھ سن رہا ہے!

صرف بن رہا ہے؟ کوتی سوچتی اور وہ اس بارے میں جتنا سوچتی، اسے محسوس ہوتا کہ کلیفورڈ نے . . . . اپنی شخصیت کے دوہرے پن کو اپنے اکیلے پن کی آڑ میں چھپا لیا ہے۔ وہ ویسے بھی بہت بدل گیا تھا۔ لگاتار محنت اور ریاضت سے اس نے کاروبار اور فن دونوں میدانوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔ یہ کامیابی اس کے حرکات و سکنات میں فخر اور برتری کا احساس بن کر جھلکتی لیکن وہ اپنا کھوکھلا پن پھر بھی نہ چھپتا۔ باہر سے فولاد کی طرح مضبوط اور چمکدار، پالش کیا ہوا، لیکن اندر سے کسی پکے ہوئے پھل کے گودے کی طرح پھسپھسا۔ کوتی کو کلیفورڈ سے آہستہ آہستہ نفرت ہوتی جا رہی تھی۔

اس نفرت کے پیچھے کوئی وجہ تھی۔ کوتی ہر وقت محسوس کرتی کہ ظاہری طور پر اعتماد اور خود اعتمادی کا ڈھونگ کرتے ہوئے بھی، کلیفورڈ اندر سے کیڑے دار پھل کی طرح کھوکھلا اور ناکارہ ہے۔ اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے وہ مسلسل کوتی کی صحبت ڈھونڈتا۔ احساسات سے لبریز زندگی میں اس کی ساری کامیابی اور خود اعتمادی پتہ نہیں کہیں گم ہو جاتی اور وہ کوتی کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لیے۔ مالک کو خوش کرنے کی کوشش میں مصروف، دم ہلاتے کتوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا۔ اسے ہر وقت یہ خوف لگا رہتا کہ کوتی اسے چھوڑ جائے گی۔ اس لیے وہ ہمیشہ مطمئن ہونے کا خواہش مند رہتا۔ کسی غلام کی طرح اپنی مالکن کا سہارا پانے کا دل و جان سے متمنی۔

"کلیفورڈ"، جھونپڑی کی چابی مل جانے کے بعد کوتی نے اس سے پوچھا، "کیا تم سچ مچ یہ چاہتے ہو کہ میں ماں بنوں؟"

کلیفورڈ نے اپنی پیلی پیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور رک رک کر بولا،

"ہاں، اگر اس سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی دیوار نہیں کھڑی ہوتی تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"دیوار کیسی؟" کوتی نے پوچھا۔

" دیوار یا دراڑ جو چاہو سمجھ لو۔ جو ہم دونوں کو الگ کرتی ہے ۔ اسے میں قبول نہیں کر پاؤں گا۔ اور پھر شاید آئندہ کچھ دنوں میں ہمارا اپنا ہی ایک بچہ ہو جائے۔"

کوتی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

" میرا مطلب ہے شاید اس عرصہ میں میری مردمی لوٹ ہی آئے"

کوتی ابھی تک حیرت سے اس کی طرف تاکے جا رہی تھی۔ لیکن اس طرح دیکھنے سے کلیفورڈ کچھ اذیت محسوس کرنے لگا۔

پھر وہ بولی " تو تم میرے بچہ ہونا پسند نہیں کروگے ؟"

" میں تمہیں بتا چکا ہوں" اس نے پٹے ہوئے کتے کی طرح گھبرا کر زور سے کہا۔ " مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ میرے اور تمہارے تعلقات پہلے کی طرح ہی رہیں۔ اگر اس سے ہمارے تعلقات میں کوئی فرق پڑتا ہو تو میں اس کے سخت خلاف ہوں"

کوتی نے محسوس کیا گویا وہ کسی پاگل سے باتیں کر رہی ہے۔ آدھے جسم کا مریض ہوتے ہوئے بھی مردمی لوٹ آنے کا خیال کرنے والا، مغرور، وہمی۔ شاید سب ہی مرد اپنی مردمی کے بارے میں وہم میں مبتلا رہتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ فخر مند ہوتے ہیں۔

" میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، کوتی" کوتی نے کلیفورڈ کو کہتے ہوئے سنا۔

" میں بھی گھر میں ننھے ننھے پاؤں کی چاپ اور قہقہے سنا چاہتا ہوں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی اپنے کے لیے مستقبل کی تعمیر کروں۔ لیکن ان سب سے زیادہ میں تمہیں چاہتا ہوں تمہارے بغیر میں صفر ہوں۔ تم میرے وجود کی بنیاد ہو۔ میری زندگی کی شرط، تمہارے بغیر میں کیا ہوں ؟"

کوتی جب یہ بکواس اور نہ سن سکی تو اٹھ کر چلی گئی۔ آدھ گھنٹے بعد ہی کوتی نے کلیفورڈ کو مسز بولٹن سے ایسے ہنس ہنس کر باتیں کرتے سنا، گویا تھوڑی دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہیں۔ گویا مسز بولٹن نے کوتی کی جگہ لے لی ہو۔ اس خیال سے، اس نے

اپنے آپ کو کچھ ہلکا تو محسوس کیا لیکن پھر اسے محسوس ہوا کہ وہ پاگل ہو جائے گی۔ اس کے اور کلیفورڈ کے بیچ کیا باقی رہ گیا ہے جو دونوں ساتھ ساتھ رہیں۔ اس کے بیچ کی ساری یادیں تعلقات، لمس دُھل گئے تھے اور اب رہ گئی تھی، ایک مرد کی شیخی خوری! اس نے محسوس کیا کہ وہ اگر جلدی ہی رگبی سے بھاگ نہ گئی تو ذہنی خلفشار سے بچنے کے لیے خودکشی کر لے گی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہ سیدھے جنگل چلی گئی تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد، وہ بیٹھنے کے لیئے کوئی جگہ تلاش کر رہی تھی کہ کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ تب ہی میلارز دکھائی دیا۔ اس نے سامنے آکر ٹوپی اتار کر کونی کا استقبال کیا اور بولا "جی میں نے وہ چابی بنوالی ہے۔ یہ لیجیے"۔

"شکریہ" کونی کو اس سے اتنے اخلاق کی امید نہ تھی۔

"جھونپڑی کچھ زیادہ صاف تو نہیں ہے۔ مجھ سے جتنا بھی ہو سکا، ٹھیک کر دیا تھا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ جگہ ابھی تک آپ کے لائق بن سکی ہو گی یا نہیں؟

"لیکن صرف میرے لیئے اتنی تکلیف اٹھانے کی ضرورت تھی؟"

"ارے، اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ ایک ہفتے میں تو یہاں مرغیوں کو بھی لاکر رکھنا ہی تھا"

"لیکن مرغیاں کہیں مجھے اجنبی سمجھ کر پریشان نہ ہوں۔ دیکھو میں تمہیں کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی"۔

اس نے ایک بار کونی کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبی پن نہیں تھا۔ لیکن اپنا پن بھی نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سامنے کھڑی ہوئی عورت کو نہ دیکھتے ہوئے بہت دور کسی چیز کو دیکھ رہا ہے۔ "وہ کچھ کمزور ہو گیا ہے" کونی نے سوچا۔ تب ہی میلارز کو کھانسی آ گئی۔ اس نے پوچھا۔

"نہیں، کوئی خاص بات نہیں ..... گزشتہ مرتبہ جب سے نمونیا ہوا تھا، ایسے ہی سرد گرم چل رہا ہے۔"

"یہ آدمی مجھ سے دور رہنا چاہتا ہے۔ اسے لوگوں سے قریب ہونے سے نفرت ہے،" کوتی نے سوچا، لیکن چپ رہی۔

لیکن ملارز کے چلے جانے کے بعد، وہ تھوڑی دیر ہی جنگل میں بیٹھ سکی، پھر لوٹ آئی۔

۷

چابی مل جانے کے بعد، کوتی اپنا زیادہ تر وقت جنگل میں گھومتے ہوئے ہی گزارتی لیکن اس کی اور ملارز کی ملاقات بہت کم ہوتی۔ وہ جان بوجھ کر کوتی سے کتراتا اور اسے جنگل میں آتا دیکھ کر اپنے کام میں لگ جاتا، تنہائی سے لگاؤ!

ویسے اس نے جھونپڑی کو صاف ستھرا رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آتش دان کے پاس ایک میز اور ایک کرسی رکھ دی تھی۔ لکڑیاں آتش دان کے تختے کے نیچے قرینے سے جما دی تھیں اور اوزار وغیرہ ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں بے ڈھنگے نہ معلوم ہوں۔ باہر ایک چھوٹا سا سائبان بنا کر مرغیوں کے کنگھرے رکھ دیئے گئے تھے۔ سب کچھ آراستہ و پیراستہ تھا۔

ایک دن جب کوتی آئی تو اس نے دیکھا کہ ڈربوں میں بھورے رنگ کی وہ موٹی موٹی مرغیاں بیٹھیں چہ مگوئیاں کر رہی ہیں۔ انڈے سیتے ہوئے ان کے چہروں پر کچھ ایسا تاثر تھا جیسے وہ ممتا کے فخر کو سنبھال نہ پا رہی ہیں۔ مرغیوں کے یہ فخر نے کوتی کے سینے میں چٹکی سی لی۔

دھیرے دھیرے پانچوں ڈربے مرغیوں سے بھر گئے ۔ تین مرغیاں بھوری تھیں، ایک لال اور ایک کالی ۔ سب ہمیشہ اپنے اپنے ڈربوں میں کٹ کٹانی بیٹھیں، پنکھ پھڑپھڑاتی رہتیں ۔ کوئی جب کبھی ان کے پاس جاتی تو سب مل کر ایک آواز میں چیں چیں کرنا شروع کر دیتیں ۔ اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہوئی ان ماؤں کو دانوں کا لالچ بھی مطمئن نہ کر پاتا ۔ اگر کوئی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے دانہ کھلانے کی کوشش کرتی تو اول تو وہ دانہ چگنے سے انکار کر دیتیں اور اگر کوئی پھر بھی ہاتھ آگے بڑھائے رکھتی تو ہتھیلی پر اتنے زور سے چونچ مارتیں کہ وہ سہم کر پرے ہٹ جاتی ۔ کوئی مرغیوں کی ان حرکتوں سے چڑتی ضرور، لیکن پریشان نہ ہوتی ۔ انہیں کسی نہ کسی طرح دوست بنانے کی دھن میں لگی رہتی ۔ آخر ایک دن جب ایک مرغی نے اس کے لائے ہوئے ڈبے میں سے پانی پی لیا تو کوئی کو بے حد خوشی ہوئی ۔

اب وہ مرغیوں کے پاس بلاناغہ آتی ۔ ساری دنیا میں صرف مرغیاں ہی ایسی تھیں جنہیں دیکھ کر اس کا دل خوشی سے مسکرا اٹھتا ۔ کلیفورڈ کی بکواس، مسز بولٹن کی تو تو میں میں اور میکائلس کے خط ۔ وہ ان سب سے بور ہو چکی تھی ۔ مرغیوں کے پاس آکر اسے ایک عجیب سا سکون ملتا ۔ شاید اس لیئے کہ مرغیاں اس حال میں تھیں جس میں وہ خود رہنا چاہتی تھی، لیکن رہ نہ پاتی تھی ۔

تیزی سے بدلتے ہوئے موسم میں سردیاں رخصت ہو رہی تھیں اور جنگل کا رنگ اور روپ نکھر رہا تھا ۔ ایک ایسے ہی سہانے دن کوئی جب ڈربے کے پاس آئی تو ایک ننھا سا نٹ کھٹ چوزہ کٹ گھرے سے نکل کر بھاگا ۔ اس کی ماں بھی کوں کوں کرتی ہوئی اس کے پیچھے دوڑی لیکن کمبخت چوزہ ماں کی پرچھائی تک نہ پڑنے دیتا تھا ۔ کوئی نے چھوٹے سے چوزے کو اپنے ننھے ننھے پاؤں پر شرارت سے بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس کا جی دھک سے رہ گیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر وہ دیر تک اسطرح چوزے کو

ننھے ننھے پاؤں پر بھاگتے ہوئے دیکھتی رہی تو رو پڑے گی۔ ہائے۔۔۔ میرے چوزے۔۔۔ پچھ۔۔۔ پچھ۔۔۔

جب چوزہ لوٹ کر اپنی ماں کے پنکھوں میں چھپ گیا تو کوتی کو کچھ راحت ملی لیکن اپنے بچے کو پنکھوں کے نیچے سمیٹ کر مطمئن بیٹھی مرغی کو دیکھتے ہوئے اس کا اکیلاپن دوبارہ جاگ اٹھا۔ وہ اس روز دیر تک جنگل میں گھومنے کا ارادہ کرکے آئی تھی، لیکن جب رہ رہ کر گھٹنوں میں مسلے جاتے کلیجے کی اتھل پتھل ناقابل برداشت ہوگئی تو جلدی واپس حویلی کو لوٹ گئی۔

اس دن کے بعد سے لگ بھگ ایک ہفتے تک کوتی کی جنگل جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسے رہ رہ کر دوڑتا ہوا چوزہ اور پریشان مرغی کا خیال آتا تھا۔ اسے محسوس ہوتا کہ کوئی اندھیرا اسے چاروں طرف سے گھونٹ رہا ہے اور وہ اگر زیادہ دیر تک چپ بیٹھی رہی تو اسی اندھیرے کی گھٹن سے بے بس کر مر جائے گی۔

ہار کر وہ ایک دن پھر، گویا نیند میں چلتی، مجبور، کھنچی ہوئی جھونپڑی کی طرف چلی گئی۔

جب وہ جھونپڑی میں پہنچی تو بلارز وہیں تھا۔ "میں چوزوں کا حال چال دیکھنے آئی تھی" کوتی نے بلارز کا سواگت کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اب تک تیس ہوئے ہیں" وہ دامن بنا کر ڈبے سے باہر نکلتے ہوئے چوزوں کی طرف خوشی اور اکہٹ کے ملے جلے جذبے سے دیکھتا ہوا بولا۔

کوتی آخر کار کٹھرے پر جھکی۔ تین چوزے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

"میں انھیں چھونا چاہتی ہوں" کوتی نے کٹھرے کی لکڑیوں میں سے انگلیاں اندر ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن جوں ہی اس کا ہاتھ اندر پہنچا موٹی مرغی نے غصہ بھری آواز نکالی اور چونچ اٹھا کر اس کے ہاتھ کی طرف لپکی۔ کوتی نے گھبرا کر ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

پیچھے کھڑا ہوا بلارز آہستہ سے ہنسا۔ اس نے ڈبے میں ہاتھ ڈالا اور ایک

چھوٹے سے چوزے کو اُٹھا کر کوتی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ ننھے ننھے کمزور پاؤں پر کانپتا ہوا ڈرا ڈرا سا بے پر کا چوزہ! "ہائے!" کوتی نے کہا ... "بچہ ... بچہ ..."

بلارز کوتی کے پیچھے کھڑا تھا۔ کوتی تھوڑی دیر تک چوزے کو ہتھیلی پہ لیے کھڑی رہی، پھر کوتی کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور نیچے گر پڑا۔

اب تک بلارز پرے ہٹ گیا تھا۔ کنگھرے پہ جھکی ہوئی کوتی کے جسم کی ریشم میں کسی ہوئی بچھلی اُٹھان نے اسے جگا دیا تھا۔ بہت دنوں بعد اس کی نسوں میں برسوں سے سوئی ہوئی آگ دھیرے دھیرے سلگ رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ ہوک کی گرمی ختم ہو جانے سے وہ جسم کی قید سے چھوٹ گیا ہے۔ اس وقت بھی نسوں کی آگ جان جانے پر بھی، وہ پیچھے ہٹ جانا چاہتا تھا۔ لیکن آگ تھی کہ بھڑکتی ہی جا رہی تھی، ہولے ہولے، دھیرے دھیرے گھٹنوں سے اوپر رینگتی ہوئی۔

بلارز کوتی کو دیکھنے کے لئے مڑا۔ کوتی چوزے کو ڈبے میں رکھنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا کر کنگھرے پر جھکی ہوئی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسوؤں کے دھند لکے میں سب کچھ گڈمڈ ہو جانے سے چوزے ٹھیک طور پر رکھ نہ پا رہی تھی۔

کوتی کی تنہائی اور مجبوری بلارز کو چھو گئی۔ وہ ان جانے طور پر اس کی طرف بڑھا اور چوزے کو اس کی ہتھیلی سے اتار کر ڈبے میں رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آگ گھٹنوں سے ہو کر دھک دھک جلتی ہوئی سارے شریانوں میں پھیل گئی تھی۔ کوتی دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھکے ہوئے، ہچکیاں لے رہی تھی اور ادھر بلارز یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ پگھل رہا ہے اور اگلے کچھ لمحوں میں ہی اگر اس نے کچھ نہ کیا تو وہ بلا وجہ پگھل جائے گا۔

"رونے کی کیا بات ہے؟" اس نے سادہ لہجے میں کہا اور کوتی کا ایک ہاتھ سے پانہہ تھام کر اندر جھونپڑی میں لے گیا۔ وہ دونوں جب تک اندر نہیں آ گئے، اس نے

اپنا ہاتھ کوتی کے کندھے پر سے نہیں ہٹایا پھر وہ کرسی اور میز ہٹا کر زمین پر ایک کمبل بچھانے لگا۔ کوتی نے کن انکھیوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔ صرف ایک تیاری تھی۔ حالات کے سامنے سپردگی کی بے بس ترغیب۔

"لیٹ جاؤ" اس نے آہستہ سے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔

بے بس کوتی کمبل پر لیٹ گئی۔ مسرت آگیں لیکن لاچار خواہش کا ایک لمس اس کے چہرے کو چھونے کے بعد کندھوں پر سے رینگتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ پھر ملارز نے اسے چوما اور آہستہ آہستہ اس کے گالوں پر تھپکیاں دینے لگا۔

وہ مسرت سے سرشار کسی خواب میں بیٹی ہوئی سی پڑی رہی۔ جب ملارز کا جھجکتا ہوا ہاتھ اس کے کپڑوں کی تہیں پلٹنے لگا تو وہ ہلکے سے کسمسائی، لیکن اس کے بعد پرسکون ہو گئی۔ ملارز نے دھیرے دھیرے پہلے ریشمی گون اٹھایا، نیچے پاؤں تک اور پھر چھونے سے پہلے ایک لمحہ ٹھٹکا۔ گویا انتظار کر رہا ہو۔ رضامندی کا، سپردگی کا۔

اس دوران کوتی ایک گہری نیند میں بے سدھ سی پڑی رہی۔۔

فاعلانہ رول ملارز کا ہی رہا۔ وہ صرف قبول کر رہی تھی، لیکن اس قبولیت میں تعاون تھا، بے رخی نہیں۔ ملارز کی باہوں کے سخت گھیرے اس کے متحرک جسم کی سنسنی خیز حرکت، انزال کے بعد تسکین — کوتی مشغول ہوتے ہوئے بھی ان ساری باتوں میں شریک تھی۔ بے سدھ لیکن مکمل طور پر وابستہ اور غرق۔

لیکن جب ملارز ہولے ہولے ہانپتا ہوا اس کے سینے پر ڈھیلا پڑ گیا تو کوتی کا خواب پگھلنا شروع ہوا۔

اور اس نے سب سے پہلے اپنے آپ سے پوچھا، یہ سب کیا ہے؟

ان سب کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں اس سفر کے بعد روح کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے اور اس کے جسم میں جمی ہوئی برسوں کی تھکن دور ہو گئی ہے؟ کیوں ... کیوں؟ ... کیا یہی سچ ہے؟

جھونپڑی ایک پُر اسرار سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اسے کیا محسوس ہوتا ہوگا، کوتی نے سوچا۔ وہ اس سے یہ سب پوچھنا چاہتی تھی لیکن چپ رہی۔ وہ سکوت توڑ دینے کی ہمت نہ کر سکی۔ دونوں ایک دوسرے کی باہوں میں لپٹے ہوئے، جسمانی طور پر آپس میں کتنے قریب تھے اور پھر بھی کتنے اجنبی۔

جب وہ کوتی کو چھوڑ کر ہٹا تو اس نے اندھیرے میں ہی اندازے سے کوتی کے گاؤن کو اوپر کھینچ کر اسے کر تک ڈھک دیا۔ پھر تھوڑی دیر تک اندھیرے میں کھڑا کھڑا اپنے کپڑے ٹھیک کرتا رہا۔

کوتی نے کپڑے پہننے کے بعد جب دروازہ کھولا تو جنگل کے آخری سرے پر ایک کونے میں چاند نکل آیا تھا جنگل کے گھنے جیسے ہی کھڑے درخت اندھیرے میں ڈوب گئے تھے، لیکن آسمان روشن اور شفاف تھا۔

اسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر وہ دیوار کے سائے میں سے نکل کر آگے کی طرف آیا۔

"چلیں؟" اس نے پوچھا۔

"کہاں؟"

"میں تمہیں گیٹ تک چھوڑ آؤں گا۔"

پھر اس نے جھونپڑی کا دروازہ بند کیا اور دونوں حویلی کی طرف چلنے لگے۔

تب ہی اس نے یکایک پوچھا: "تمہیں افسوس تو نہیں ہے؟"

"نہیں، کیوں؟ تمہیں افسوس ہو رہا ہے کیا؟" کوتی نے الٹے جواب دیا۔ گویا اسے ڈاکٹر سے اس سوال کی امید نہ تھی۔

"نہیں۔ جو ہو گیا، اس کی تو کوئی پرواہ نہیں، لیکن اور بھی تو بہت سی باتیں ہیں۔"

"کیسی باتیں۔"

"میرا مطلب ہے، مصیبتیں۔"

"کیسی مصیبتیں؟"

"کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔" بلارز نے اندھیرے میں چلتے ہوئے کہا۔

"تب تو تمہیں افسوس بھی ہو رہا ہوگا۔" کوتی نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ایک طرح سے مجھے افسوس بھی ہے۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "میرا خیال تھا کہ یہ سب دوبارہ شروع نہیں ہوگا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد وہ دونوں سارا راستہ چپ رہے۔ لیکن جنگل کے گیٹ پر آکر کوتی نے پھر پوچھا، "تم مجھ سے نفرت تو نہیں کرنے لگے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟" اس نے کوتی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا اور پھر یکایک کوتی کو باہوں میں جکڑ لیا، کانپتے ہوئے لیکن مضبوطی سے۔ یوں ہی دونوں کے ہونٹ ایک بار پھر جڑ گئے۔

"کاش دنیا میں اتنے لوگ نہ ہوتے!" بلارز نے باہیں ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔
کوتی ہنسی اور حویلی کو جانے والی پگڈنڈی پر مڑ گئی۔

بلارز دیر تک وہیں کھڑا کھڑا کوتی کو حویلی کی طرف جاتا دیکھتا رہا۔ پھر جب اس کی پرچھائی اندھیرے میں غائب ہو گئی تو وہ بھی مڑا۔ وہ اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے

بڑبڑایا، "اُدھر یہ بلا پھر گلے آپڑی!"

جب وہ اپنی جھونپڑی میں جانے کے لیئے پڑھائی چڑھنے لگا تو مکمل خاموشی تھی کوئلے کی کانوں کے اردگرد جلتی ہوئی روشنیوں اور شام کے بعد تیرنے والے اندھیروں کی آوازوں کے سوا جنگل میں اور کچھ نہیں تھا۔ وہ جنگل کی تنہائی میں سے ہوتا ہوا جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگا لیکن اب جنگل کا اکیلاپن بھی اس کے لیے بے معنی ہوگیا تھا۔ شہروں کی مشینی تہذیب کے حملے سے بچنے کے لیئے اس نے جنگلوں کا سہارا لیا تھا۔ لیکن ایک عورت نے اس کا یہ سہارا بھی توڑ دیا تھا۔

"دراصل قصور نہ عورت کا تھا، نہ پیار کا، نہ ہوس کا، قصور اِس تہذیب کا تھا،" میلارنڈ نے سوچا "جس کے بھاری پہیے آدمی کے وجود کی انفرادیت کو روندتے ہوئے صرف اجتماعی نظام کے ڈھیر چھوڑتے جارہے تھے!"

گھر جاکر کھانا کھانے کے بعد اس نے ہندوستان کے بارے میں ایک کتاب پڑھنے کی کوشش کی لیکن دِل نہ لگا۔ پھر اسے کوتی کا خیال آیا اور دوپہر کے واقعات کا ہلکا سا دُکھ ہوا۔ اُسے کوتی سے ہمدردی تھی، لیکن وہ انتقام سے ڈرتا تھا۔ سماج کی بے معنی روایات کو توڑنے کے نتیجے میں ملنے والی نفرت انگیز سزا سے۔ اسے کسی کا ڈر نہیں تھا۔ نہ ہی اچھے بُرے کا احساس، وہ صرف اس بے ہودہ ندامت سے بچنا چاہتا تھا۔ جسے سماج، روایتوں کا جوا نہ لاد کر چلنے والوں کے راستے میں بچھا دیتا ہے۔ اسے اپنا ڈر نہیں تھا، کوتی کا ڈر تھا۔

پھر کوتی کی بات سوچتے سوچتے اس کی نسوں میں گرم لہو دوڑنے لگا۔ شریانوں میں پھر جذباتی خواہش لوٹ لوٹ کر آنے لگی اور اس نے پوری شام میں پہلی بار چاہا کہ کوتی پھر اس کے پاس ہو۔

کوتی! او کوتی!!

کوتی جلدی جلدی جلتی ہوئی حویلی کی طرف بڑھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ڈر سے پہلے

ہی گھر پہنچ جائے گی۔ لیکن حویلی کا دروازہ بند پا کر اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے زور سے دو تین بار گھنٹی بجائی۔ مسز بولٹن نے دروازہ کھولا۔

"ارے، آپ کہاں رہ گئی تھیں؟ مجھے تو فکر ہونے لگی تھی۔ ویسے سر کلیفورڈ نے آپ کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ ان کے ملاقاتی آئے ہوئے ہیں۔ وہ انہی سے بات چیت کر رہے ہیں۔"

"کھانا لگ گیا؟"

"جی ہاں، آپ کپڑے بدل لیں تو میں کھانا لگاؤں۔"

کھانے کے بعد اپنے کمرے میں پہنچ کر کونی نے شام کے واقعات کے بارے میں سلسلہ وار سوچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ پھر اس نے ملارز کے بارے میں سوچنا شروع کیا، "میں اس کے لیے شاید صرف ایک عورت ہوں ... نہ کم ... نہ زیادہ! لیکن ایسا بھی ہو گیا حرج ہے۔ شاید وہ سب ہی عورتوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرتا رہا ہو۔ لیکن شکر ہے کہ وہ اور مردوں کی طرح مجھے سر پر اٹھائے اٹھائے نہیں رکھتا۔ کم سے کم برابر کا سلوک تو کرتا ہے۔"

اور اسی طرح سوچتے سوچتے کونی پتہ نہیں کب سو گئی۔

۹

دوسرے دن جب کونی جنگل میں گئی تو ہرے درختوں پر پھیلی ہوئی نرم دھوپ کا لمس اس کے جسم میں دھیرے دھیرے گھلنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ جوش کی ایک دھار آسمان سے آتی ہوئی اسے نہلا کر پھولوں میں گم ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر بعد پھر بوندیں بن کر اسے بھگونے لگتی ہے۔ خالص مسرت کا لوٹ آنے والا پرکیف بہاؤ۔

جب وہ جھونپڑی کے پاس پہنچی تو ملارز وہاں نہیں تھا۔ مرغیوں کے بچے اپنی ماؤں کو پریشان کرتے ہوئے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کوئی تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ پھر بیٹھ کر انتظار کرنے لگی اور انتظار میں دھیرے دھیرے اتنی کھو گئی کہ اسے صرف اپنے کندھوں پر سرسراتی ہوا کے سوا اور کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔

لیکن دو گھنٹے تک انتظار کرنے کے بعد بھی جب ملارز نہیں آیا تو کوئی واپس بنگلے لوٹ گئی۔

شام سے ہی بارش شروع ہو گئی۔ دھیمی دھیمی گنگناتی، مکانوں کی دیواروں اور راستے کے پتھروں کو ٹھہر ٹھہر کر ہلکی بوچھار سے بھگوتی ہوئی بارش۔ چائے پینے کے بعد کوئی نے تھوڑی دیر لیٹنے کی کوشش کی لیکن بستر پر کافی دیر تک کروٹیں بدلنے پر بھی اسے نیند نہ آئی۔ اس نے کھڑکیوں سے باہر جنگل کی طرف دیکھا۔ کہر میں ڈوب کر درخت اپنی شکل کھو بیٹھے تھے، صرف ایک دھندلا سا خط فاصل تھا جسے دیکھ کر روشنی میں پھیلے ہوئے جنگل کی یاد آتی تھی۔ آسمان اور درختوں کے سروں سے افق تک پھیلی لکیر کے بیچ ہوا کے ساتھ ساتھ کانپتی ہوئی بارش نے جنگل کو ڈھانک لیا تھا۔

کوئی کو محسوس ہوا جیسے کوئی اسے آواز دے رہا ہے۔ ہولے ہولے، کونی، کونی!

تم کہاں ہو؟ اس نے سنا، نیچے مکان کی طرف دیکھا اور اپنے تھرتھراتے ہوئے جسم کو برساتی میں لپیٹ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

جنگل میں بالکل سناٹا تھا۔ روزانہ شام ہونے سے پہلے تیرنے والی آوازیں بارش میں بھیگ جانے سے جھرمٹوں اور جھاڑیوں کے نیچے دب گئی تھیں۔ بھیگے ہوئے درختوں کی چھال کے رنگ اور چکنی زمین پر گھلے ہوئے پتھروں کے تازہ کھودے پن کو دیکھ کر جنگل کسی نہاتے ہوئے ننگے مرد کی طرح لگتا تھا ـــ متحیر کن لیکن پرکشش۔

جھونپڑی کے آس پاس کوئی آہٹ نہ تھی۔ آنگن میں کھیلنے والے چوزے اپنی اپنی ماؤں کے پنکھوں میں دبک گئے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں لوٹا، کوئی نے اپنے

آپ سے کہا تھا کہیں وہ مجھ سے بچنے کے لیئے تو یہ آنکھ مچولی کا کھیل نہیں کھیل رہا؟ کیا پتہ اسے کچھ ہو گیا ہو؟

وہ جھونپڑی کا تالا کھول کر اندر چلی گئی۔ اندر سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیمپ دیوار سے لٹک رہا تھا، میز کرسی اپنی جگہ پر تھی اور تہہ کیا ہوا کمبل کونے میں پڑا تھا۔

وہ ایک کونے میں اسٹول پر بیٹھ گئی۔ "پتہ نہیں، کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟"

سب کچھ ساکت تھا۔ بارش کی ایک پتلی چادر آسمان سے زمین تک پھڑپھڑا رہی تھی۔ کہیں کوئی شور نہیں تھا۔ سانولی روشنی چپ چاپ کالی پڑتی جا رہی تھی اور کوئی سوچ رہی تھی، شاید میں انتظار کرنے کے لیئے ہی بنی ہوں۔

وہ لیٹ جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اچانک کتے کی غرّانے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ملّارنہ ایک دم سامنے آ گیا۔ وہ چمڑے کی جاکٹ کے ساتھ بھورے رنگ کا پتلون پہنا ہوا تھا۔ کوئی کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹھکا لیکن پھر ڈربوں کی طرف چلا گیا۔ وہاں وہ چپ چاپ تھوڑی دیر تک کھڑا مرغیوں اور چوزوں کو دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں کیا دیکھ رہا تھا؟

جب وہ کوئی کے پاس پہنچا تو وہ اسٹول پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر سائبان کے نیچے دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو تم آ گئیں؟"

"ہاں؛ تم اب تک کہاں تھے؟"

"جنگل میں"!

وہ آہستہ سے اسٹول پر سے اٹھی۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"اندر نہیں آؤ گے؟" کوئی نے پوچھا۔

ملّارنہ نے ایک بار کوئی کی طرف دیکھا۔ اسکی بھویں تنی ہوئی تھیں گویا دل ہی دل میں کچھ تول رہا ہو۔

میں جھانکا اور اسے یہ احساس ہوا کہ اپنی ذمہ داری، آن بان کو ٹھوکر مار کر آنے والی یہ عورت اس سے بھی عظیم ہے۔ اس کے دل میں تیرتے ہوئے شبہ کی ساری غیر یقینی کیفیت کوآن کی بھیگی آنکھوں میں دیکھ لینے کے بعد ختم ہو گئی۔ وہ جھکا اور کوآن کے چہرے کو ہتھیلیوں میں بھر کر چومتا ہوا، جھکتا ہی چلا گیا۔

"میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی، ڈنر کے لیے دیر ہو جائے گی" کوآن نے دروازہ بند کرنے کے بعد لوٹتے ہوئے بلارز سے کہا۔

لیٹنے سے پہلے بلارز نے ایک کمبل تہہ کر کے کوآن کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ پھر آہستہ سے کوآن کو ایک بانہہ میں کھینچتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ کوآن کے جسم کے دوسرے حصوں سے کھیلتا ہوا، دھیرے دھیرے نیچے سرکنے لگا۔

"اُف! تمہارا یہ لمس" انگلیوں کو کوآن کی تپتی ہوئی جلد میں گاڑھتے ہوئے وہ کوآن کی ناف کے آس پاس کی جلد کو اپنی کھردری ٹھوڑی سے رگڑنے لگا۔ کوآن کو کچھ حیرت ہوئی لیکن یہ تجربہ کارانہ حرکتوں کی ابتداء اور ٹھوڑی کے کھردرے پن کی چبھن جوں جوں کوآن کی ناف کے آس پاس تیز ہوتی گئی، اس کی حیرت، تجسس میں بدلنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے کانپتے ہوئے گھٹنوں کے ارد گرد سنگم کی گرفت کا کوئی بالکل اجنبی تناؤ جکڑتا جا رہا ہے۔ وہ کچھ سہم گئی۔ اسے بلارز کے پاگل پن سے ڈر سا لگنے لگا۔ لیکن اس وقت تک لمس کی قربت نے اسے اتنا گھیر لیا تھا کہ آزادانہ طور پر کچھ بھی کرنے میں اپنے آپ کو مجبور پا رہی تھی۔ وہ اعصابی تناؤ سے گھٹتی ہوئی، اپنے جذبات کے بادلوں پر نیم خوابیدہ سی تیرتی ہوئی صرف انتظار کر رہی تھی — انتظار، انتظار... انتظار۔

پھر جب وہ بلارز کے ساتھ انتظار کے وقفے کو پار کر گئی تو اس نے محسوس کیا کہ نیند کے ہلکے ہلکے تھپیڑوں کا شکنجہ اس کے خون میں گھلتا جا رہا ہے۔ ڈھلان

"تمہیں یہاں اس طرح روز آتا جاتا دیکھ کر لوگ کیا کہیں گے؟"

کوئی کو ملارڈ سے اس سوال کی امید نہ تھی۔ "کیوں؟" وہ تھکی ہوئی سی بولی، "کون جانتا ہے؟"

"ملتے نہیں تو جان جائیں گے۔ بات پھیلتے کیا دیر لگتی ہے؟"

کوئی کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ پھر بھی اس نے کوشش کی، "انھیں کیسے پتہ لگے گا؟"

"بس، جیسے اور باتوں کا لگ جاتا ہے۔"

کوئی کے ہونٹ ایک دوبار کانپے، "لیکن میں اس بارے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"تم ... تم نہ آؤ تو سارا جھنجھٹ ہی کھڑا نہ ہو گا۔" ملارڈ نے دل پر جبر کر کے کہا۔

کوئی نے ملارڈ کی طرف دیکھا ــــــ وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا، "تو میں تمہیں پسند نہیں آئی! کیوں؟"

"سر کلیفورڈ کیا سوچیں گے کوئی، لوگ کیا کہیں گے؟"

"اگر ایسی کوئی دشوار صورت حال ہو گئی تو میں کہیں اور چلی جاؤں گی۔"

"کہاں؟"

"کہیں بھی! ممی مرتے وقت میرے لیے بیس ہزار پونڈ چھوڑ گئی تھیں۔ وہ سارا روپیہ میرا ہے۔ میں جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔"

"لیکن کیا تمہارے چلے جانے سے بات سلجھ جائے گی؟ لوگ تو پھر بھی کہیں گے کہ لیڈی چیٹرلی ایک رکھوالے کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔"

"میں اس دو کوڑی کی عزت پر تھوکتی ہوں! سچ تو یہ ہے کہ مجھے ایسی آن بان اور عزت کے سارے ڈھونگ سے سخت نفرت ہے اور جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو مجھے تم سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے۔"

کوئی نے محسوس کیا کہ وہ کم تر ہو گیا ہے۔ اس نے ہنستے ہنستے کوئی کی آنکھوں

ختم ہونے سے پہلے، تیزی سے دوڑتے وقت، اسے محسوس ہوا کہ وہ پیچھے چھوٹ گئی ہے۔ میلارز آگے نکل گیا ہے۔ اسے کچھ مایوسی سی ہوئی لیکن یہ مایوسی تلخ نہیں تھی ــــ شاید وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں یہی چاہتی تھی۔

اٹھنے سے پہلے اس نے ادھ موندی آنکھوں سے اپنے اوپر پڑے ہوئے بوجھ کی شکل کو اندھیرے کے باوجود اس کے پورے خدوخال میں دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے پھر سب کچھ بے معنی اور مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا۔ اس طرح بھدے اور بے تکے پن سے اچھل اچھل کر گیلے ہو جانا! اونہہ! ایسی بچکانی حرکتیں کرتا ہوا آدمی کیسا مسخرہ لگتا ہوگا، اس نے سوچا۔

لیکن وہ اٹھی نہیں، چپ چاپ پڑی رہی۔ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس نے کونی کی ٹانگوں کو قینچی مار کر اپنی ٹانگوں میں پھنسا رکھا تھا تاکہ ٹھنڈک محسوس نہ ہو۔

"تمہیں ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی؟" تھوڑی دیر تک یوں ہی پڑے رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن دیر ضرور ہو رہی ہے۔"

اس نے کونی کا جواب سن کر زور سے سانس لی اور اپنی پکڑ کو ڈھیلا کر دیا۔

"چھوڑو، اب جانے دو"، کونی نے دہرایا۔

وہ اٹھا ایک منٹ کے لئے گھٹنوں کے بل کونی کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اس کی رانوں کے اندر والی ڈھلان کو ہولے سے چوم کر، کپڑے ٹھیک کرنے لگا۔

"آؤ چلیں" اس نے بندوق اٹھا کر کہا۔

"چلو۔"

اسی وقت دونوں کی نظریں ملیں، کونی کی آنکھوں میں نمی تھی اور میلارز کی نظروں میں ایک غیر جانب داری۔ شاید کونی جانا نہیں چاہتی تھی۔

میلارز نے دروازہ کھولا۔ باہر بالکل اندھیرا ہو چکا تھا۔ آنگن میں کتا کھڑا ہوا تھا۔ میلارز کو دیکھ کر ایک دو بار دم ہلا کر بھونکا پھر دوڑ کر اس کے پاس آگیا۔ بارش ہلکی ہو گئی تھی۔

جب جب ہوا چلتی، بھیگی ہوئی بھاری گھاس لہرا کر ٹھہر جاتی۔

ٹیڑھے میڑھے راستے پر دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ راستہ ٹھیک سے دیکھنے کے لیئے، ملارز جھونپڑی سے لالٹین ساتھ لے کر چلا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں حویلی کی بتیاں دکھائی دینے لگیں۔ گیٹ سے پہلے کی آخری موڑ پر پہنچ کر ملارز نے لالٹین بجھا دی۔ اب اس کے واپس جانے کی جگہ آگئی تھی، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی الگ نہیں ہونا چاہتا تھا نہ ملارز، نہ کونی۔ لالٹین بجھا دینے کے بعد، اندھیرے میں ٹھوکر لگنے کے ڈر سے، کونی ملارز سے بالکل لگ کر چل رہی تھی۔ یکایک ملارز نے کس کر کونی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں راستے پر لگے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے۔ کونی جوش کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ جب ملارز نے اس کے موم ہوتے ہوئے گھٹنوں کو چھوا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ اس جوش کو برداشت نہ کر سکے گی۔ لڑکھڑا کر زمین پر گر جانے کے خوف سے اس نے ملارز کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے زور سے پکڑ لیا۔ ملارز کا بارش میں بھیگا ہوا ٹھنڈا اور کھردرا ہاتھ دیر تک کونی کے کپڑوں کے نیچے سہلاتا رہا۔ کونی کو محسوس ہوا کہ اس کا خواب پورا ہوگیا ہے۔

"تمہاری جیسی عورت کو حاصل کرنے کے لیئے اگر جان بھی دینا پڑے تو سودا سستا ہے" ملارز مسکراتا ہوا بولا۔

تب ہی زور سے ہوا چلنے سے درخت ہلا اور پتوں پر ٹکی ہوئی بوندیں پھسل کر کونی کی پیشانی پر آگریں تو وہ گویا ہوش میں آگئی۔

"کل پھر آؤں گی" اس نے اپنے آپ کو ملارز کی باہوں سے چھڑاتے ہوئے کہا "بس، اب جانے دو۔ اچھا۔"

"اچھا، لیکن" ملارز نے جواب دیا۔ اندھیرے میں چہرہ صاف دکھائی نہ دینے کی وجہ کونی کوئی فیصلہ نہ کر پائی کہ وہ سنجیدہ ہے یا مذاق کر رہا ہے۔ اسے اچھا نہ لگا۔

کیسی باتیں کرتے ہو ؟" وہ بولی۔

"کچھ نہیں ۔ اچھا جلدی کرو، نہیں تو تمہیں گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔"

کوئی تیز تیز چلتی ہوئی پچھواڑے کے دروازے سے حویلی میں چلی گئی۔ پچھواڑے کے دالان میں کوئی نہ تھا۔ ویسے اندھیرا ابھی تھا۔ کمرے میں پہونچ کر کوئی نے دروازہ بند کرلیا اور ہانپتی ہوئی بستر پر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد گھڑی کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ ڈنر میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ لیکن کپڑے بدلنے سے پہلے اس نے نہانا ضروری سمجھا اور تولیہ لے کر حمام میں چلی گئی۔

"اب کبھی دیر نہیں کروں گی، نہاتے ہوئے کوئی سوچ رہی تھی۔

۱۰

اگلے تین چار روز تک کوئی جنگل میں نہیں گئی۔ "دو تین دن تک انتظار کرنے میں کوئی ہرج نہیں" وہ ہر روز دل میں کہتی اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں الجھا لیتی۔ لیکن چوتھے روز اس کے جسم نے احتجاج کر ہی دیا۔ اور وہ بے چینی محسوس کرنے لگی۔ پیاس اور تھکن۔ لیکن وہ جنگل میں جا کر پھر اس طرح ایک اجنبی مرد کے سامنے کھل کر بے بس نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس پریشانی سے بچنے کے لیئے وہ دل کو بہلانے کی تدبیر سوچنے لگی۔ ایک بار اس کے دل میں گاڑی چلاتے ہوئے شیفیلڈ تک جانے کا خیال آیا پھر وہ کچھ جان پہچان کے لوگوں سے ملاقات کرنے کے بارے میں سوچنے لگی لیکن جلد ہی بھٹک گئی۔ اسے ان دونوں میں سے کوئی بھی پروگرام بھا ہی نہیں۔

آخر اس نے سیر کیلئے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن باہر نکلتے ہی حسب عادت اس کے پاؤں خود بخود جنگل کی طرف مڑ گئے لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا

اور جنگل سے بالکل مخالف سمت میں گاؤں کی طرف چل پڑی۔

موسم سُہانا تو نہیں تھا، البتہ اچھا تھا۔ نزدیک ہی ایک فارم پر اس کی جان پہچان کا ایک خاندان رہتا تھا۔ وہ چُپ چاپ کچھ سوچتی ہوئی فارم کی جانب بڑھنے لگی۔ چلتے چلتے وہ خیالات میں اتنی ڈوب گئی تھی کہ اسے اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے گاؤں کا احساس بھی نہ رہا تھا۔ جب موڑ پار کرنے کے بعد کہیں ایک کتا بھونکا تو اسے پتہ چلا کہ وہ فارم کے پاس پہنچ گئی ہے۔

دراصل یہ فارم حویلی کے قریب تک پھیلا ہوا تھا۔ کلفورڈ خاندان اور مسٹر فلنٹ کے کھیت کی حدیں ملی ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے دونوں خاندان ایک زمانے سے پڑوسی چلے آ رہے تھے۔

"چُپ، چُپ" کتے کو ڈانٹتی ہوئی، ایک بھاری آواز گونجی۔ ساتھ ساتھ مسز فلنٹ بھی باہر نکل آئیں۔ مسز فلنٹ ادھیڑ عمر کی عورت تھی، لیکن زیادہ بھاری بھرکم نہیں تھی۔

"ارے! لیڈی چیٹرلی، آپ!" اس نے حیرت سے لیکن اظہارِ مسرت کرتے ہوئے کہا،

"ابے لیڈی چیٹرلی کو نہیں پہچانتا، جو ایسے بھونکے جا رہا ہے؟" مسز فلنٹ نے کتے کو ڈانٹا۔ مالکن کی ڈانٹ سن کر کتا چُپ ہو گیا اور کوں کوں کرتا ہوا دُم ہلانے لگا۔

"کتنے دنوں بعد آپ کے دیدار ہوئے ہیں۔ آپ تو کبھی آتی ہی نہیں، ایسا بھی کیا کام لگا رہتا ہے؟" مسز فلنٹ نے کونی سے خلوص جتاتے ہوئے کہا۔ "طبیعت تو ٹھیک تھاک ہے نا؟"

"ہاں" اچھی ہی ہوں۔"

"پتہ نہیں، آپ سردیوں میں کہاں غائب رہیں! آپ نے ہمارے بچہ کو تو نہیں دیکھا ہوگا؟"

"نہیں کہاں ہے؟" کونی نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"اندر آئیے" مسز فلنٹ ہاتھ سے اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

دونوں اندر چلی آئیں۔ سامنے سے ایک چھوٹا سا بچہ جھولے میں بیٹھا تھا۔ کمرے میں روشنی کچھ کم تھی۔ ایک نوکرانی پاس ہی کھڑی میز پر چائے کا سامان لگا رہی تھی۔ لال بالوں اور

نیلی آنکھوں والا بچہ بڑا شیطان اور شریر تھا۔ گدیوں پر بیٹھا ہوا بھی مسلسل اچھل رہا تھا کبھی ایک کھلونے کو اٹھا کر ادھر پھینک دیتا تو کبھی دوسرے کو۔

"ہائے، کتنا پیارا بچہ ہے!" کوتی کے منہ سے بے اختیار نکل ہی پڑا۔

"ارے، دیکھو بیٹے، تم سے ملنے کون آیا ہے! سلام کرو بیٹا، ٹاٹا کرو۔ لیڈی چیٹرلی کو جانتے ہو... لیڈی چیٹرلی ... لیڈی چیٹرلی!"

بچے نے ایک بار کوتی کی طرف دیکھا، ہنسا اور پھر اسی طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کے لیے کوتی کی موجودگی کیا اہمیت رکھتی تھی۔

بچے کی طرف دیکھتے دیکھتے کوتی کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ایک خالی پن اس کی چھاتی سے اٹھ کر گلے میں امڈنے لگا تھا۔ اس نے لپک کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ بچے کی ریشمی انگلیاں اس کی ٹھوڑی سے چھو گئیں۔ ریشم! وہ کانپ کے رہ گئی۔ پہلے تو بچے نے ماں کے پاس جانے کے لیے ضد کی لیکن پھر کوتی کے سہلانے سے وہ بہل گیا اور ٹکٹکی باندھے چھت کو تاکتا ہوا انگوٹھا چوسنے لگا۔

"میں، بس چائے پینے ہی والی تھی۔ آپ بڑے اچھے موقع پر آگئیں۔ ایک پیالی تو لیجیے گا، نا!"

"کیوں تکلف کر رہی ہیں!" کوتی نے سنی ان سنی کرکے لاپروائی سے کہا۔ اس کا سارا خیال اس وقت بچے پر مرکوز تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا کبھی کبھار چھو جانے والے بچے کی انگلیوں میں وہ جادو ہے جس سے اس کی جلد پر جمی ہوئی اداسی کی جھریاں مٹتی جا رہی ہیں اور وہ ہری بھری ہوتی جا رہی ہے، تر و تازہ اور چست۔

چائے پینے کے دوران اسے سارا وقت مسز فلنٹ کی باتیں سننی پڑیں۔ مسز فلنٹ کوتی کے اس طرح اچانک چلے آنے سے فخر محسوس کر رہی تھی۔ "فخر مند، اونہہ،" کوتی نے اپنے دل میں کہا۔

"آپ کو ہم غریبوں کی چائے تو کیا پسند آئی ہوگی۔ لیکن جو کچھ بھی ہے، قبول کر لیجئے"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، ہماری نوکرانی تو اتنی تمیز والی نہیں جو چائے بناتی ہے کہ..!"

"اچھا!" مسز فلنٹ نے جواب میں کہا۔ لیکن اس کے جواب سے واضح تھا کہ اسے کوتی کی بات پر یقین نہ آیا تھا۔

تھوڑی دیر اور بیٹھ کر، ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب چلتی ہوں۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹھئے بھی، ایسی بھی کیا جلدی ہے؟" مسز فلنٹ نے مہمان نوازی کرتے ہوئے اصرار کیا۔

"نہیں، پھر کبھی۔"

"آپ کی مرضی!"

"اچھا، آداب!"

"آداب۔"

کوتی نے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے بچے کو ایک بار اور چوما، پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور آزردہ دل سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"آپ کا رکھوالا آج کل دودھ ہمارے یہاں سے لیتا ہے۔" کوتی کو باہر تک چھوڑنے کے لیے آئی ہوئی مسز فلنٹ نے دالان سے گیٹ تک پھیلے آنگن میں چلتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" کوتی کے اندر کچھ کسمسانے لگا۔

"ہاں، اس نے جنگل میں، سامنے کھیتوں میں اپنے لیے راستہ نکال لیا ہے۔ آپ چاہیں تو وہاں سے ٹہلتی ہوئی نکل جائیے۔ آج کل تو واقعی جنگل میں گھومنے کا موسم ہے۔ کئی بار میرا بھی جی چاہتا ہے لیکن یہ کم بخت گرہستی کے دھندے چھوڑتے ہی نہیں۔ اچھا چلتی ہوں، پھر کبھی آؤں گی۔ آداب، مسٹر کلفورڈ سے میرا سلام کہیئے گا۔"

"اس وقت وہاں کون ہو گا؟" کوتی نے مسز فلنٹ کے لوٹ جانے کے بعد اپنے آپ سے کہا اور کھیتوں کو پار کرتی ہوئی جنگل کی طرف بڑھنے لگی۔ باڑھ کو توڑ موڑ کر ایک نیا راستہ بنایا گیا تھا، تاکہ آدمی تو لانگ جائے مگر جانور نہ آ سکے۔

اس کی باہنوں میں بچہ کا پھول جیسا بوجھ اور ہلکی ہلکی نرم حرارت ابھی تک باقی تھی۔ اسے مسز فلنٹ سے کچھ حسد ہوا۔

اسی وقت ایک موڑ پار کرنے کے بعد، درختوں کے پاس کوئی آدمی چلتا ہوا نظر آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہاں کوئی آدمی کھڑا ہے۔ پھر وہ آدمی سامنے آگیا۔ یہ ملارز تھا۔

"تم؟ تم یہاں کیسے آگئیں؟" ملارز پہلے بولا۔

"میں تو بس یونہی آئی، آگئی۔ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"جھونپڑی کی طرف گئی تھیں؟"

"نہیں، ایک شخص سے ملنے آئی تھی!"

"اچھا!" ملارز نے کوتی کو اوپر سے نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر ایک دم رُکا، گویا کچھ سوچ رہا ہو اور ایک دم جھٹکے سے آگے بڑھ کر کوتی کو باہنوں میں لپیٹتا ہوا بولا: "آؤ"

"کہاں؟ نہیں، نہیں، مجھے جانا ہے۔" کوتی نے اس کی باہنوں سے الگ ہونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی جا کر کیا کرو گی۔ آؤ"

کوتی نے چاہا کہ وہ واپس چلی جائے۔ لیکن ملارز کے کپکپاتے ہاتھوں کے جادو نے اسے مجبور کر دیا۔ اس میں احتجاج کی کوئی طاقت باقی نہ رہی۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی، "اچھا، لیکن چھوڑ تو دو۔"

ملارز نے کوتی کی انگلیوں میں انگلیاں گتھا کر جنگل کے بیچ کی جانب بڑھنا شروع کیا۔

سامنے کھڑے ہوئے درختوں کی ایک گھنی قطار سے آسمان ذرا چھپ سا گیا تھا۔ ملارز ان ہی درختوں کی طرف بڑھا۔ جھاڑیوں کی قطار پار کرتے ہی جھرمٹ میں زمین کا ایک مسطح حصہ تھا۔ صرف تھوڑی سی گھاس تھی۔ ملارز نے جھاڑیوں کی چھاؤں سے ڈھکی ہوئی اس سپاٹ جگہ پر اپنا اور کوٹ اتار کر بچھا دیا اور ایک جانور کی طرح کونی کو گھورنے لگا۔

لاچار کونی اور کوٹ پر لیٹ گئی۔

ایک لمحہ کے لیے سب کچھ ٹھہر رہا، پھر کونی نے محسوس کیا، جیسے سمندر کے ساحل پر مچلتی لہروں کی طرح بے شمار بیتیں جھٹکے جھٹکے اس کے سارے جسم میں پھیل رہی ہیں۔ کھلتے ہوئے جوش کے نکیلوں سے بھی نازک بیتیں۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے اندر جمی ہوئی ساری کالی اکھل گئی ہے اور بہار سے پہلے کے صاف آسمان کی شفاف مستی اس کی ساری تھکان کو دھوتی ہوئی، رقیق چاندنی کو چھوتی ہوئی نسوں میں بہہ رہی ہے۔ جوش کے گلابی جھیل میں جھومنے والے پھولوں کی خواب آور مستی۔

تھوڑی دیر تک دونوں بے سدھ پڑے رہے۔ پھر ملارز اٹھا اور گھٹنوں پر زور ڈال کر کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

پتہ نہیں ملارز سے الگ ہوتے ہی کونی کیوں سہم گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ مرد کے جسم کی چھاؤں ہٹتے ہی وہ ننگی ہو جائے گی۔ ننگی اور تنہا۔ اس نے ملارز کو اٹھنے دینے سے پہلے ہی دوبارہ کس کر بھینچ لیا۔ تاکہ وہ ڈھکی ہوئی محفوظ اور مطمئن رہ سکے۔

تھوڑی دیر بعد ملارز الگ ہوا۔ دونوں نے کپڑے پوری طرح نہیں اتارے تھے، اس لیے انہیں سنبھلنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

اس بار ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی پہنچے۔ ملارز نے گھاس کا ایک تنکا توڑ کر دانتوں میں چباتے ہوئے کہا۔

کونی چپ رہی۔

"اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ سب بیکار گیا ہے۔ لوگ برسوں تک ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور اکٹھے ڈوبنے کا سکھ ہی نہیں جان پاتے۔"

"تو تم خوش ہو؟" کوتی نے اسی طرح اور اسی ڈھنگ سے پوچھا۔

"ہاں میری جان، ہاں۔"

بلارز، کوتی کے ہونٹوں پر جھک گیا۔ وہ اُسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ الگ ہو جانے سے پہلے کوتی بولی، "تو کیا اکثر لوگ الگ الگ ہی ڈوبتے ہیں؟"

"ہاں اکثر لوگوں کو تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ساتھ ساتھ ڈوبنے کے سکھ جیسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"کیا تمہیں پہلے کبھی اور کسی عورت سے ایسا ہی سکھ ملا ہے؟"

بلارز نے کوتی کا سوال سن کر اس طرح دیکھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو کہ کوئی بھی یہ سوال پوچھ سکتی ہے۔

پھر بڑبڑاتا ہوا بولا، "نہ نہیں، کچھ یاد نہیں پڑتا۔"

کوتی جان گئی کہ وہ جو چاہے گا وہی اسے بتائے گا۔ نہ کم نہ زیادہ۔ اس نے نظریں اٹھا کر بلارز کی جانب دیکھا۔ خواہش اسے پھر گدگدانے لگی، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"میں تمہارے ساتھ کھیتوں کی طرف نہیں جاؤں گا۔" بلارز نے جدا ہوتے ہوئے کہا۔ سورج ڈوب رہا تھا۔

کوتی جنگل میں سے ٹہلتی ہوئی گھر لوٹی۔ لوٹتے وقت وہ محسوس کر رہی تھی

جیسے اس کے سارے جسم میں کہیں کچھ نیاپن سا جاگ اُٹھا ہے۔ برسوں کے بعد پہلی بار
اس کا دل ہنس ہنس کر عام عورتوں کی طرح چہل کرنے، زور زور سے باتیں کرنے
اور چٹکیاں لیتے ہوئے چٹکلے سنانا چاہ رہا تھا۔

" ایک بچہ، کاش میرے اندر بھی کہیں ایک بچہ ہوتا!" کوئی نے چلتے چلتے سوچا
اور مسز فلنٹ کے بچے کی یاد آتے ہی ایک بار پھر اس کا دل بھر آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ
ایک بار پھر ڈوب جانا چاہتی ہے۔ آرائش کی نیند میں کسی مکمل خواب کے انتظار میں۔

لیکن تب ہی اسے جھنجلاہٹ بھی ہوئی۔ اسے اپنے آپ کو خوش رکھنے کے
لئے کسی دوسرے پہ اس طرح بالکل تکیہ کرلینے کی چبھن سے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ میں
کسی کی غلام بننا نہیں چاہتی، اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ
مجبوری ہے جسے موسم کی آمد اور بادل گھر آنے پر بارش کے بعد کونپلوں کے پھوٹ پڑنے کی
ہلک اسے ہر بار جنگلوں کی طرف کھینچ کر لے جائے گی۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس کی ناف
سے لے کر پستانوں تک کچھ اُبل رہا ہے۔ کونپل پھوٹ پڑنے کو بے قرار۔

" میں آج فلنٹ کے بچے کو دیکھنے گئی تھی " گھر پہنچ کر اس نے کلیفورڈ سے کہا۔

" اوہ، کتنا پیارا بچہ تھا! مسٹر فلنٹ گھر پہ نہیں تھے۔ اس لئے میں مسز فلنٹ
کے اصرار پر چائے کے لئے بھی رک گئی "

" ہاں ... میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ تم کہیں نہ کہیں اٹک گئی ہو گی " کلیفورڈ
نے کوئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی اس نے محسوس کیا کہ کوئی کی شخصیت
میں کہیں شگفتگی کی کوئی نئی جھلک ہے جس سے اس کی ساری اداسی غائب ہو گئی ہے۔

" شاید بچے کو دیکھ کر ایسا ہوا ہو " اس نے اپنے آپ سے کہا۔ لیکن اسے اپنی بات
پہ آسانی سے یقین نہ ہوا۔ اسے محسوس ہوا کہ بات کچھ اور ہے، لیکن کیا!

" میں نے آپ کو پارک کے اس طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس لئے سمجھا کہ کہیں

آپ جنگل کی سیر کرنے نہ چلی گئی ہوں،، مسز بولٹن نے کلیفورڈ کے کندھوں پر پڑی ہوئی شال کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ارادہ تو کچھ ایسا ہی تھا لیکن پھر میں مسز فلنٹ کے یہاں چلی گئی" یہ کونی نے جواب دیا۔

دونوں عورتوں کی نظریں لمحہ بھر کیلئے ملیں مسز بولٹن کی نظر سوالیہ تھی، کونی کی آنکھوں میں مسرت تھی۔

مسز بولٹن کو پکا شک تھا کہ کونی نے چوری چھپے کوئی عاشق پال رکھا ہے، لیکن شک کو یقین میں بدلنے کے لئے اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ وہ ثبوت ڈھونڈنا چاہتی تھی "کون ہو سکتا ہے؟" مسز بولٹن نے اپنے آپ سے پوچھا "ایسا کون آدمی ہے جسے لیڈی چیٹرلی اپنے پٹھے پر ہاتھ رکھنے دے گی؟"

"میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ نے بہت اچھا کیا" دل کے جذبات کو چھپاتے ہوئے مسز بولٹن بولی، "ایسا بھی کیا کہ آدمی سارا دن گھر کی چار دیواری میں ہی پڑا رہے۔ پاس پڑوس کے لوگوں سے کبھی کبھار میل ملاقات اچھی رہتی ہے۔ اس سے دل بھی بہل جاتا ہے اور دنیا داری بھی چلتی رہتی ہے۔"

"ہاں بچہ بڑا پیارا تھا۔ تم بچے کو دیکھتے نہیں چلو گے۔ کلیفورڈ؟ میں نے ان لوگوں کو پیر کے دن چائے پر بلایا ہے۔ اس دن بچہ بھی آئے گا۔"

"چائے پر؟" کلیفورڈ کو یقین نہ آیا۔

"ہاں، بچہ اور مسز فلنٹ دونوں ہمارے یہاں آئیں گے۔ بڑا مزہ رہے گا۔"

"خیر اب تم نے بلا ہی لیا ہے تو میں کیا کہوں؟ تم جانو اپنے کمرے میں ہی بیٹا" کلیفورڈ کو پتہ نہیں کیوں، غصہ آ گیا تھا۔

"کیوں؟ تم بچے کو نہیں دیکھنا چاہتے؟" کونی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے کلیفورڈ

کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔

"بچہ۔۔۔۔ خیر۔۔۔ چھوڑو، بات یہ ہے کہ میں چائے کی میز پر کسی بیوقوف عورت کی باتوں سے بور ہونا، برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اچھا" کونی، کلیفورڈ کی بات میں چھپے ہوئے اسرار کو سمجھتے ہوئے بولی "شکی کہیں کا، اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں لیڈی چیٹرلی! بالک نہیں بھی ہوں گے تو کیا۔ ہم دونوں تو ہوں گے" مسز بولٹن نے حالات کی کشیدگی کو کم کرنے کے لیئے کہا۔ لیکن اس کا عاشق کون ہے؟" مسز بولٹن اپنے دل میں سوچ رہی تھی۔ شاید مسز فلنٹ سے کچھ پتہ چل سکے۔

کونی اس دن شام میں نہائی نہیں۔ غروب آفتاب کے وقت جنگل کی کیفیت اس کی جلد پر مہک رہی تھی۔ وہ اس مرد کی خوشبو کو دھوکر بہا دینا نہیں چاہتی تھی۔

کلیفورڈ نہ جانے نہیں کیوں بے چین سا ہوکر بار بار کرسی میں ادھر سے ادھر کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس دن ڈنر کے بعد بھی اس نے روز کی طرح کونی کو سونے کے لیئے جلدی اوپر نہیں جانے دیا۔ کونی کمرے میں جاکر بستر پر پڑی پڑی اکیلے اپنے اور ملارز کے بارے میں کچھ سوچنا چاہتی تھی، لیکن۔۔۔

"تاش کھیلو گی، یا پھر میں تمہیں کچھ پڑھ کر سناؤں؟" کلیفورڈ نے اسی طرح بے چین نظروں سے کونی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ پڑھ کر سناؤ" کونی نے بیکار کی بک بک سے پیچھا چھڑانے کے لیئے کہا۔

"کیا پڑھوں؟" "کہانی، نظم، یا ڈرامہ؟"

"جو چاہے پڑھو۔"

کلیفورڈ نے پاس ہی پڑی ہوئی ایک فرانسیسی مصنف کی کتاب اٹھائی اور اداکارانہ

انداز سے ایک مضمون پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی پاس بیٹھی ریشم کی ایک پوشاک سیتی رہی۔
جب کبھی کلیفورڈ بیچ بیچ میں رک کر کتاب کے کسی پہلو پر اس سے گفتگو شروع کرتا، وہ ہُوں ہُوں کرنے کے بعد چپ ہو جاتی، اور اسے بولنے دیتی۔

کلیفورڈ کہنے کو تو پڑھ رہا تھا لیکن اندر ہی اندر کچھ خوف زدہ تھا۔ کوئی کے ارد گرد بکھرتی ہوئی یہ نزاکت، اس نے برسوں کے بعد اس کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے خوشبو کا ایک چھوٹا سا آسمان کوئی کے کندھوں پر سمٹ آیا ہو۔

لیکن وہ پڑھتا رہا اور کوئی کے دل میں اس کے شاک کے خلاف سلگتی نفرت اور بھی گہری ہوتی گئی۔ کتاب پر جھک کر، چٹ پٹے لفظوں کا لبادہ اوڑھ کر، اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہوا یہ آدمی، کوئی کو محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے کسی مری ہوئی چڑیا کو کپڑے پہنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور چمکدار پنکھوں کے نیچے سے، زمین میں سے نکلتے کیڑوں کی طرح رہ رہ کر جھانکتی موت کی بدبو، سارے کمرے میں پھیل رہی ہے۔ اسے متلی ہونے لگی۔

جب کلیفورڈ نے پڑھنا روک دیا تو وہ اپنے خیالات میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا۔ پھر یکایک خیال آنے پر وہ چونک گئی۔

"تم اب بھی ویسے کے ویسے ہی ہو۔ اتنے ہی متاثر کن ڈھنگ سے پڑھتے ہو" کوئی نے کلیفورڈ کی تعریف کی۔ اسے ڈر تھا کہیں وہ اس کے اندرونی تاثرات کو بھانپ نہ جائے۔

"اچھا، تم یہ کیا سی رہی ہو؟" کلیفورڈ نے کوئی کی تعریف پر یقین نہ کرتے ہوئے بھی، اطمینان ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ" کوئی کی آنکھوں میں مسرت چمک اٹھی "یہ مسز فلینٹ کے بچے کے لیئے پوشاک بنا رہی ہوں۔"

بچہ، بچہ!! کلیفورڈ کو کوئی کے بچکانہ پن سے نفرت ہونے لگی۔ وہ تھک گیا۔

وہ ادیبوں، نقادوں، دانشوروں، سائنس دانوں سے لوہا لے سکتا تھا۔ فلسفے کے گہرے مسائل پر گھنٹوں بحث کر سکتا تھا۔ مفلوج ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو اپنا حکم ماننے پر مجبور کر دیتا تھا۔ لیکن اس عورت کے سامنے آتے ہی اس کے ہتھیاروں کو زنگ لگ جاتا تھا۔ اس کے پاؤں کے نیچے کی مٹی بھری بھری ہو کر ٹوٹنے لگتی۔ اسے لگتا کہ وہ دھیرے دھیرے دھنس رہا ہے اور اگر جلد ہی تنہائی میں پناہ نہ لیا تو لاچار دلدل میں گلے تک ڈوب جائیگا۔

اسی وقت مسز بولٹن دودھ کے دو گلاس لے کر کمرے میں آئی۔ اس وقت مسز بولٹن کا آجانا دونوں کو اچھا ہی معلوم ہوا۔

"اچھا میں چلتی ہوں"، کونی نے دودھ پی کر گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا، "گڈ نائٹ"

لاچار کلیفورڈ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ "گڈ نائٹ" یہ دو لفظ کھٹ کھٹ اسکی کنپٹیوں سے بجتے رہے۔ اس کے اور کونی کے بیچ کیا باقی رہ گیا تھا؟ یہی چلتے پھرتے لفظ، الگ الگ کمروں میں سوتے ہوئے، میاں بیوی کی طرح جینے کا ڈھنگ!

کونی کے جانے کے بعد میلارز نے جھونپڑی میں آکر چوزوں کو بند کیا، کھانا کھایا لیکن پیا نہیں۔ آگ جلا کر آتش دان کے پاس بیٹھ گیا۔

آگ کے سامنے بیٹھے بیٹھے میلارز کی آنکھوں میں ماضی کی تصویریں گھومنے لگیں۔ بچپن کے بعد اسے اپنی متاہل زندگی کے ابتدائی پانچ، چھ سال یاد آئے۔ بیوی کی یاد آتے ہی اس کے دل میں تلخ احساسات گھس آئے۔

پھر اسے ہندوستان میں بتائی ہوئی سپاہی کی زندگی یاد آنے لگی۔ ہندوستان سے مصر اور مصر سے پھر ہندوستان۔ گھوڑوں کے ساتھ بیتی ہوئی مسافروں کی زندگی۔ کرنل کی بڑے بھائی جیسی محبت، لفٹننٹ بننے پر ساتھیوں کی آنکھوں میں حسد! کرنل کی نمونیا سے موت اور خونخوار زندگی سے ہاتھا پائی، گرتی ہوئی صحت اور کتے کا بچ سی چھپٹی زندگی۔

۴۰

نوکری سے استعفیٰ اور ایک مزدور کی حیثیت سے انگلینڈ کو واپسی ۔

اسے محسوس ہوا کہ زندگی اسے بہلا رہی تھی۔ کبھی ریگستانوں میں اچھال دیتی کبھی اوپر اٹھا کر پہاڑوں پر پھینک دیتی اور کبھی کوئی دوست بھیج کر ٹرلارنے لگتی۔ وہ اِسی یک مزہ کھیل سے اُکتا کر ہی اس جنگل میں آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جنگل میں کچھ عرصے تک زندگی کی گہما گہمی سے کٹ کر اکیلا رہ سکے گا۔

کہنے کو ماں تھی، لیکن ماں کو اس نے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور نہ ہی کبھی اس کے لیئے کوئی اپناپن محسوس کیا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بامقصد زندگی گزارنے کے لیئے کیا کرے لیفٹننٹ بننے کے بعد اسے پتہ چلا تھا کہ شان وشوکت اور خلوص کی زندگی بھی اس کے لیے بیکار تھی۔ اس لیئے وہ انگلینڈ آکر دوبارہ مزدوروں میں شامل ہوگیا۔ لیکن مزدوروں کی زندگی جانوروں سے بدتر تھی اور ایک بار چند سالوں ٹاٹ ڈھنگ سے رہنے کے بعد وہ غربت کی بیہودگیاں دوبارہ برداشت کرنے کے لیئے تیار نہ تھا۔

اسے پیسے سے بھی نفرت تھی۔ وہ فضول خرچ نہیں تھا۔ دولت کی اہمیت کو بھی جانتا تھا لیکن اس سے نفرت کرتا تھا اور ان تمام لوگوں سے نفرت کرتا تھا جو پیسہ جوڑنے کیلئے دن رات کتے کی طرح ہانپتے ہوئے دوڑ رہے ہیں۔

اس نے پرواہ کرنی چھوڑ دی تھی۔ کونی سے پہلے وہ کسی بھی بات کو سنجیدگی سے نہیں سوچتا تھا۔ لیکن اب یہ عورت آگئی تھی۔ عام سی چکنیہ کرنے والی۔ وہ عمر میں اس سے لگ بھگ دس سال بڑا تھا۔ اسے محسوس ہوتا کہ وہ ہزاروں سال کا تجربہ کار ہوکر، ایک چٹان پر بیٹھا ہوا نیچے چیونٹیوں کی طرح رینگتے، بوجھ ڈھونے والے مزدوروں کو دیکھ رہا ہے۔ بے تعلق اور جُدا۔ پھر یہ عورت کون تھی؟

وہ جانتا تھا کہ کونی اور اس کے تعلقات گہرے ہوتے جارہے ہیں۔ وہ اسی

ایک بات سے ڈرتا تھا۔ اور یہی بات ہو رہی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوا تھا۔ وہ جس سے ڈرتا، وہی ہوتا۔

اور اب؟ اب سب کچھ اسی طرح دوبارہ شروع ہونے والا تھا، ایک مفلوج شوہر سے ہاری ہوئی عورت اس کے گود میں سر رکھ کر آسمان کو ناپنا چاہتی تھی۔

لیکن کیوں؟ اب نہ وہ جوان رہ گیا تھا، نہ جاندار۔ پھر یہ عورت اس سے کیا چاہتی تھی؟ وہ اس جھنجھٹ سے بچنے کے لیئے کیا کر سکتا تھا؟ امریکہ چلا جائے؟ لیکن وہاں بھی اس مسئلہ سے دوبارہ نہ ٹکرانے کا کیا تیقن تھا؟

جب تھوڑی دیر تک بستر پر پڑے رہنے کے بعد بھی اسے نیند نہ آئی تو اس نے اٹھ کر جوتے پہنے، بندوق اٹھالی اور کتے کو آواز دیتا ہوا بولا "آؤ بیٹا ملیں، ذرا ٹہل آئیں۔"

باہر آسمان صاف تھا، چاند کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے چپ چاپ جنگل کا چکر لگانا شروع کیا۔ ان دنوں لکڑیاں چرانے والوں سے مڈبھیڑ ہونے کا بھی امکان کم ہی تھا۔

پورے جنگل میں پانچ میل کا ایک چکر لگا کر تھک جانے کے بعد بھی اسے تسلی نہ ہوئی۔ وہ پہاڑی پر کھڑا ہو کر سامنے دیکھنے لگا۔ کہیں کوئی روشنی نہ تھی۔ سارا گاؤں اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بجے تھے۔ جب کبھی ملوں کی بھٹیوں سے آگ کی لپٹیں اٹھتیں تو ہلکا سا پیلا پن چاروں طرف پھیل جاتا، لیکن اندھیرا پھر گاؤں کو ڈھک لیتا۔ خاموش اور گہرا۔

اسے کھانسی آگئی۔ ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی۔ جب گیلی گھاس کی ٹھنڈ اس کی پنڈلیوں سے ہوتی ہوئی گھٹنوں کو چھونے لگی تو اسے کوتی کی یاد آئی۔ گلابی گلابی تپتی ہوئی، گداز جسم والی عورت۔

وہ جھونپڑی میں لوٹ آیا اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ سناٹا تھا، تھکن تھی، رات کا تیسرا پہر تھا، لیکن نیند نہیں تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر اسے اس ٹھنڈی ہوئی ٹھنڈ میں کوئی نہیں ملی تو وہ ٹھٹھر کر مر جائے گا۔

وہ اٹھا اور دوبارہ نکل آیا۔

صبح کے چار بجے تھے۔ اندھیرا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ لیکن فوج میں اور جنگلوں میں رہنے کی وجہ کی سے ملارز کو اندھیرے میں چلتے ہوئے زیادہ دقت نہ ہوئی۔

وہ دھیرے دھیرے ڈھلان پر اترنے لگا اور حویلی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دھندلکے میں حویلی کسی تصویر کی طرح کھڑی تھی۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی مقناطیس سے کھنچتا ہوا حویلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ڈھلان دھیرے دھیرے ختم ہو گئی۔

ملارز حویلی کے دروازے پر آ پہنچا۔

سامنے اسی مکان میں کوئی سو رہی ہے' اس نے سوچا۔ اسے یہ محسوس ہوا کہ اگر وہ اس طرح ڈوری کے ایک سرے سے بندھا ہوا کھنچا چلا گیا تو وہ چپ نہیں رہ سکے گا۔ کوئی کو پکارنے لگے گا۔ یہ بے تابو کرتی ہوئی کشش کی ڈور کھینچے والی عورت کہاں ہے؛ وہ اس وقت سوئی ہوئی کیسی لگ رہی ہوگی؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور بندوق ایک کندھے سے بدل کر دوسرے کندھے پر رکھ لیا۔

پتہ نہیں وہ کتنی دیر تک اسی طرح گم سم کچھ سوچتا ہوا کھڑا رہا۔ آسمان کالے سے بھورا اور بھورے سے پیلا پڑنے لگا۔

صبح ہونے پر اس نے حویلی کے برآمدے میں بجھتے ہوئے چراغوں کو دیکھا۔ لیکن وہ ایک بات اور نہیں دیکھ پایا۔

مسز بولٹن نے اسے شیشے میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔

مسز بولٹن کمروں میں دھوپ آنے کے لئے شیشوں پر سے پردہ ہٹا کر کھڑکی پر کھڑی کچھ سوچ رہی تھی کہ تب ہی اس کی نظر گیٹ کے ساتھ لگ کر کھڑے ملارز پر پڑی۔ رکھوالا بابا یہ اتنے سویرے یہاں کیا کر رہا ہے؟ مسز بولٹن نے سوچا اور لیے جنگل، کونی کی جنگل میں بلاناغہ سیر جاتے وقت بے چینی اور لوٹتے وقت گھبراہٹ۔ سب کچھ بجلی کی طرح کوند کر یاد آگیا۔

"تو یہ حضرت ہیں لیڈی چیٹرلی کے عاشق!" عجب انداز سے مسکرا کر اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

جب مسز بولٹن نے دوبارہ گیٹ کی طرف دیکھا تو ملارز تیزی سے ٹیلے پر چڑھ رہا تھا اور اس کا کتا اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

۱۲

کونی اور کلیفورڈ کے درمیان کی خلیج گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اگرچہ ظاہری طور پر سخت کشمکش نہ ہوتی، لیکن اندر ہی اندر کشیدگی کی فضا بنی رہتی۔ ویسے دونوں نے مسئلہ کا حل مختلف انداز میں سوچ رکھا تھا۔ کلیفورڈ ڈرتا ہوا بھی کونی کے پاس کسی نہ کسی بہانے آتا جاتا رہتا تھا اور کونی کوئی نہ کوئی کام نکال کر تنہائی ڈھونڈتی رہتی تھی۔ جب اسے کچھ نہ سوجھتا تو حویلی کے بند کمرے کھلوا کر ان کی صفائی کروانے لگتی۔

ایک دن ایسے ہی، جب کونی نیچے ڈرائنگ روم کی صفائی کروا رہی تھی تو کلیفورڈ وہاں آگیا۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس دن ناشتہ کی میز پر کلیفورڈ سے ملنے آئے ہوئے مہمانوں کی وجہ سے دونوں میں کوئی خاص بات چیت نہ ہوئی تھی۔ گزشتہ ہفتہ بھی خاصی مصروفیت میں گزرا تھا۔

کلیفورڈ کے اس طرح اچانک آجانے سے کوتی کو کچھ تعجب تو ہوا لیکن وہ تصویر دو کی جھاڑ پونچھ میں لگی رہی۔ کلیفورڈ نے ہی بات چیت شروع کی۔

"گاؤں میں آج کل یہ افواہ بڑی گرم ہے کہ جلد ہی میرا وارث پیدا ہونے والا ہے" وہ بولا۔

خوف کی ایک سہر لہر کوتی کی ریڑھ کو چھوتی ہوئی اُتر گئی لیکن اس کا چہرہ دیوار کی طرف ہونے کی وجہ کلیفورڈ اس کے تاثرات کو نہ پڑھ سکا۔

"کیا کہتے ہو؟ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں"

کلیفورڈ نے کوتی کی طرف دیکھا۔ اس نے جواب دینے کے بعد چہرہ دوبارہ دیوار کی طرف پھیر لیا تھا۔ وہ بولا، "پسند تو مجھے بھی نہیں، لیکن کیا پتہ، اس میں کوئی پیشین گوئی چھپی ہو"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

پھر کوتی نے کہا "کل صبح ڈیڈی کا خط آیا تھا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ سرکوبر نے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے دعوت قبول کر لی ہے اور چاہتے ہیں کہ جولائی اور اگست میں، میں ان کے ساتھ ہی وینس میں رہوں"

"دو مہینے؟" کلیفورڈ نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں، لیکن میں پورے دو مہینے تک نہیں رہوں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں کہیں بھی نہیں جانا چاہتا"

"تو پھر میں چلی جاؤں؟ تمہیں یاد ہے، تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے گرمیوں میں کہیں باہر بھیج دو گے"

"کتنے دنوں کے لیے جاؤ گی؟"

"لگ بھگ، یہی کوئی تین ہفتے"

تھوڑی دیر پھر خاموشی رہی۔

پھر کلیفورڈ نے کوتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "تین ہفتے تک تمہارے بغیر رہنا ... بہت مشکل تو نہیں ہے۔ بشرطیکہ مجھے یقین ہو کہ تم لوٹ آؤ گی۔"

"کیوں، تمہیں کوئی شک ہے؟" کوتی نے سادگی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اندر ہی اندر اسے ڈر بھی تھا۔ کہیں اسے معلوم تو نہیں ہو گیا؟ اس نے سوچا۔

کوتی کی مسکراہٹ سے کلیفورڈ مطمئن ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ بگڑی بات کو بنانے کے لیے اس نے بھی زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، "میرا یہ مطلب نہیں تھا ... خیر چھوڑو، اچھی بات ہے، چلی جانا، ذرا آب و ہوا بدل لینا اچھا ہی رہے گا۔"

"ہاں، چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ وینس دیکھے کتنے برس ہو گئے۔ سر کوپر اور لیڈی کوپر ہیں تو پرانی قسم کے لوگ، لیکن ہلڈا ہو گی تو وقت کاٹنا مشکل نہ ہو گا تم کیوں نہیں چلتے، چلو نا!"

"ارے بھئی مجھے کہاں اٹھائے اٹھائے پھرو گی؟" کلیفورڈ نے ہنستے ہوئے کہا، "آئندہ سال چلیں گے۔"

"آئندہ سال؟" کوتی کے منہ میں کڑواہٹ سی آ گئی۔ "اگلے سال کیا پتہ، پتہ نہیں کیا ہو!" وہ دراصل وینس جانے کے لئے زیادہ مُصر نہیں تھی اور پھر اب تو ملازر بھی تھا۔ لیکن جانا ضروری تھا۔ وینس سے لوٹ آنے کے بعد اگر اس کے بچہ ہوتا تو کلیفورڈ کو کم سے کم یہ شک تو نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا جانشین اپنے ایک رکھوالے کی اولاد ہے۔ وہ یہی سمجھتا کہ کوتی، کلیفورڈ خاندان کی روایت کو قائم رکھنے کے لئے اعلیٰ طبقے کے مہذب شخص کا بیج لے آئی ہے۔

اسی لیے۔

اسی لیے وینس جانا ضروری ہے، کوتی نے اپنے آپ سے کہا۔

۱۴

دوپہر کے کھانے کے بعد کوکی سیدھے جنگل میں چلی گئی۔ موسم سُہانا تھا۔ راستے کے دونوں طرف پھیلے ہوئے پلّی کے پودے، درختوں سے چھن کر آتی ہوئی دھوپ میں سر ہلا ہلا کر جھوم رہے تھے۔ بہار کی خوشی سارے جنگل پر چھائی تھی اور کھلے ہوئے پھولوں کی ہواؤں پر تیرتی خوشبو کرشمہ سا ہونے لگتا تھا۔

ہلارز ہلی جھونپڑی میں نہیں تھا، صرف کچھ چوزے ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ کوکی دوسری جھونپڑی کی طرف بڑھی۔ وہ ابھی چند قدم ہی گئی تھی کہ کتّے کے بھونکنے کی آواز آئی۔

جھونپڑی کا دروازہ کھلا۔ لال اینٹوں سے بنا ہوا راستہ پار کرنے کے بعد کوکی نے دیکھا کہ وہ کمرے میں میز پر بیٹھا کچھ کھا رہا ہے۔ کتّے نے کوکی کو دیکھتے ہی بھونکنا کچھ کم کر دیا اور تیزی سے دُم ہلانے لگا۔

وہ کھڑا ہوا۔ اس نے رومال سے اپنے ہونٹ پونچھے۔ ویسے اس کا منہ ابھی تک چل رہا تھا۔

"میں اندر آسکتی ہوں؟" جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر کوکی نے پوچھا۔

"آؤ۔"

دھوپ آدھے فرش پر بکھری ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے پکائے ہوئے کھانے کی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ آتش دان میں ہلکی ہلکی آگ ابھی تک باقی تھی۔

"اتنی دیر سے کھانا کھاتے ہو؟" کوکی نے لاڈ سے کہا۔ "کہاں گئے تھے، کھاؤ نا!"

"ذرا کچہری چلا گیا تھا۔ وہیں دیر ہو گئی۔ بیٹھو، کچھ کھاؤ گی؟"

"نہیں کھاؤں گی، کچھ نہیں۔" کہہ کر کوکی میز کے پاس پڑا ہوا اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

ملازم نے کھانا بند کر دیا تھا۔ دوبارہ شروع نہیں کیا۔ کوتی کی طرف دیکھتا ہوا بولا،
"کچھ کھاؤ گی نہیں، چلو، کچھ پی ہی لو۔ وہاں سامنے باورچی خانے میں انگیٹھی پر کیتلی ہے۔ اب تک تو پانی گرم ہو گیا ہو گا۔ میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔" ملازم نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"بیٹھے بھی رہو،" کوتی بولی "میں خود بنا لوں گی۔"
کہتے کہتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیتلی لائی اور پیالی ڈھونڈنے لگی۔ پیالی پاس ہی رکھی تھی۔

ملازم نے دوبارہ کھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بے دلی سے کھا رہا تھا۔ کوتی سمجھ گئی کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ کھانے کے بعد اس نے پلیٹ اٹھا کر ایک طرف کو رکھا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ زنجیر کھلنے اور لگنے کی ایک آواز ہوئی۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی، جس میں پنیر اور تھوڑا سا مکھن رکھا ہوا تھا۔
"تم چائے نہیں پیو گے؟" کوتی نے پوچھا۔
"جیسے تم کہو، ٹھہرو، ذرا شکر اور دودھ لے آتا ہوں۔"
"میں یہ پلیٹ اٹھا کر لے جاؤں؟" کوتی نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں امر اتھا۔ منانے کی خواہش اور اصرار۔
"کیوں؟ ......" اس نے کوتی کی طرف دیکھا اور سانس چھوڑتے ہوئے بولا، "جیسی تمہاری مرضی!"
وہ پلیٹ اٹھا کر کچھ ارے، چپ چاپ چلی گئی۔ وہاں اس نے پلیٹ دھوئی۔ جب وہ لوٹ کر آئی تو دیکھا کہ ملازم نے دودھ اور شکر میز پر رکھ دیا ہے۔
"میری چائے میں دودھ مت ڈالنا" کوتی کو پیالیوں میں چائے ڈالتے ہوئے دیکھ کر ملازم نے کہا۔
اسی وقت ایک آہٹ ہوئی۔ جیسے کوئی آیا ہے۔ دونوں نے ایک دم دروازے

کی طرف دیکھا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔

"دروازہ بند کر دوں؟" بلآرزو نے پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے؟ یہاں کون آئے گا؟"

"آئے گا تو کوئی نہیں، لیکن پھر بھی کسی نے دیکھ لیا تو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر ساتھ چائے پینے کے جرم میں ہم دنیا سولی پر چڑھا دے گی تو چڑھ جائیں گے۔ چمچہ کہاں ہے؟" کوکی نے لاپروائی سے کہا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر میز کا ایک دراز کھولا اور دو چمچے نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"تم آج اتنے اداس کیوں ہو؟" کوکی نے پوچھا۔

"نہیں، اداس تو نہیں ہوں، البتہ بور ضرور ہو گیا ہوں۔ آج کچہری جانا پڑا تھا، دو مرغی چوروں کے سمن تعمیل کروانے تھے۔"

"یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیوں، کیا نہیں رکھوالے کا کام پسند نہیں آتا؟"

"میں ... میں تو پنشن پر ہی گزارہ کر لیتا۔ لیکن پیسے بہت کم ملتے ہیں۔ اسی لئے نوکری کر لی تھی۔ نوکری بُری تو نہیں ہے۔ مرضی کے مطابق بھیڑ بھاڑ سے الگ ہی رہتا ہوں اور پھر گزشتہ چند روز سے تو اس نوکری میں اور بھی مزہ آنے لگا ہے" اس نے شریر نظروں سے کوکی کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"ہش! ایسا نہیں کہتے۔ ہاں، بتاتے کیوں نہیں، تم اداس کیوں رہتے ہو؟"

"بس یوں ہی۔" وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔ کوکی نے محسوس کیا کہ پچھلے تمام سوال بیکار گئے۔

"میں کچھ دنوں کے لیے باہر جا رہی ہوں۔" کوکی نے کہا۔

"کب؟ کہاں؟"

"آئندہ مہینے، وینس جانے کا ارادہ ہے۔"

"وینس! اسر کلیفورڈ کے ساتھ، کب لوٹو گی؟"

"کلیفورڈ نہیں جائے گا۔"

"اوہ! بیچارہ! کیوں؟ اسے ساتھ کیوں نہیں لے جاتیں؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تم مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟"

ملارز نے کونی کا سوال سن کر ایک بار اس کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا،

"کوئی نہیں بھولنا چاہتا۔ تم جانتی ہو۔ لیکن یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن چپ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد کونی ہی بولی، "میں نے کلیفورڈ کو بتادیا ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ میرے بچہ ہونے والا ہے۔"

"اچھا تو اس نے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں! وہ کیا کہے گا۔ اُسے تو اُلٹے خوشی ہوگی۔"

"میرا ذکر تو نہیں آیا؟"

"نہیں! تمہارا ذکر نہیں آیا۔"

"ہاں کہیں میرا نام مت لینا۔ کلیفورڈ یہ کبھی برداشت نہ کرے گا کہ اس کے خاندان کے چراغ کو روشن رکھنے کے لئے مجھ جیسے عام آدمی . . ."

"کیا بیکار سی باتیں کرتے ہو؟" کونی نے ملارز کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اب اس بچے کا باپ کسے سمجھا جائے گا؟" ملارز نے آہستہ سے پوچھا۔

"وینس جو جا رہی ہوں۔ کلیفورڈ سمجھے گا وہاں ہوا ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب طرح کی تشنگی اور طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ دونوں نے ایک آدھ بار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"تو تم مسز کلیفورڈ کے خاندان کا سلسلہ چلانے کے لیے مجھے استعمال کر رہی تھیں؟" ملّارز نے مسکراہٹ کو اور بھی طنزیہ بناتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو" کونی کو ایک جھٹکا سا لگا۔

پھر اس کا لہجہ پہلے سے بھی مختلف تھا۔

"میں نہیں جانتی" کونی نے مجبور آواز میں کہا۔

وہ ہنسا۔ دل کی دیواروں کو چیرنے والی ہنسی۔

"خیر، میرا کیا جاتا ہے؟" اس نے بے دلی سے کہا، "میں تو نوکر ہوں۔ اگر لارڈ اور لیڈی کلیفورڈ کے کسی کام آ سکوں تو میرے لیے خوش نصیبی ہوگی، اور اگر تم نے مجھے اپنایا ہے، تو بھی کیا! ایسا کوئی پہلی بار تو ہو نہیں رہا جو مجھے افسوس ہوگا۔"

وہ انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

"اور چلوگی؟" اس نے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں!" [illegible] سے بولی، لیکن اس کے لب و لہجے سے ظاہر تھا کہ اگر ملّارز نے [illegible] اصرار کیا تو وہ [illegible] چلے گی۔

"[illegible]" [illegible] اپنا ہیٹ اٹھانے کے لیے جھکی۔

"[illegible]" [illegible] کوئی چارہ نہ تھا۔

"[illegible]" [illegible] سگریٹ [illegible] نے کہا۔

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے، آپ نے میری جھونپڑی میں آ کر مجھے عزت بخشی ہے" ملّارز نے کہا۔

کونی قدم اٹھا کر جانا چاہتی تھی [illegible] سے چھوڑنے آیا۔ وہ سارا راستہ ملّارز کے چہرے پر

پھیلی ہوئی تیزابی مسکراہٹ سے مجلائی رہی ۔ اُسے ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیے ۔ کوئی دل ہی دل میں سوچ رہی تھی ۔

وہ پھر بٹ گئی ۔ دو حصوں میں ۔۔ ایک طرف اسے ملارز پر غصہ آرہا تھا ، دوسری طرف پیار ۔

اور جب وہ گھر پہنچی تو اس کے سر میں درد ہو رہا تھا ۔

(۱۴)

تمام دوپہر کوئی بے چین رہی ۔ اس نے سونے کی کوشش کی ، لیکن سو نہ سکی ۔ تھکان سے نڈھال ہوتے ہوئے بھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جسم کا رواں رواں پسینے بغیر اس کے ہو کا بخار ٹھنڈا نہیں ہوگا ۔ جکڑی ہوئی باہوں میں گم ہو جانے کی مسرت کا تخیل اسے تڑپتا چھوڑ جاتا ۔ دوبارہ ملارز کے پاس جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا ۔

وہ چپ چاپ پچھواڑے کے دروازے سے نکل کر جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگی ۔ مطمئن ہوتے ہوئے بھی وہ نہ جانے کیوں خوش نہیں تھی ۔

ملارز آنگن میں کھڑا تھا ۔ چوزے اس کے ارد گرد دوڑ رہے تھے ۔

وہ سیدھے اس کے پاس پہنچی اور چوزوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ۔ "آ گئی "

" ہاں " ملارز نے انگڑائی سی لے کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ۔

تھوڑی دیر تک دونوں مرغیوں کی طرف دیکھتے رہے پھر ملارز نے ہی پوچھا ،

— " اندر چلیں ؟ "

" کیا واقعی تمہیں میری ضرورت ہے ؟ " کوئی نے پوچھا ۔ اس کے لہجے میں بے قراری تھی

" ہاں اگر تم چاہو تو ۔ "

وہ چپ رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد طارز بولا، "آؤ۔"

دونوں اندر چلے گئے۔ طارز نے پہلے کی طرح زمین پر کمبل بچھا دیا اور کوئی نے ہیٹ اتار کر بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انگڑائی لی۔

"لیٹ جاؤ،" کپڑے اتار دینے کے بعد طارز نے کہا۔ کوئی فرماں بردار بچے کی طرح چپ چاپ لیٹ گئی اور کمبل اوپر کھینچ لیا۔

دھیرے دھیرے ایک کمزور ہاتھ کوئی کے کندھوں پر سے نیچے پھسلتا ہوا اس کی کمر پر جا کر رک گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں کے جسم ساکت پڑے سسکتے رہے۔ جھونپڑی میں سناٹا تھا۔ کوئی نے ادھ مندی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کی نسوں پر بڑھتے ہوئے کسی دباؤ نے اسے بے بس کر دیا۔ کوئی کو ڈر لگنے لگا۔ ڈر سے بچنے کے لیے وہ اچانک حرکت میں آ گئی۔ اس نے اپنی دونوں باہیں طارز کی کمر کے گرد ڈال کر اسے زور سے بھینچ لیا۔ تب ہی طارز نے کوئی کے گیلے پن کو چھوتے ہوئے کہا، "اُف! تمہارا لمس۔"

لیکن فعل میں مصروف ہونے کے باوجود کوئی چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو جوش کی تیزی میں پوری طرح گھوم نہ سکی۔ اس کے دماغ میں جاگتا ہوا کوئی کیڑا سوچتا رہا۔ اس سارے عمل کو ہلکے طنز کی کسوٹی پر کستی ہوئی کوئی تیسری آنکھ ــــ دیکھتی رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ جانوروں کی طرح کولھوں کو اچھالتے ہوئے، بھدے ڈھنگ سے گیلا ہو جانا، واقعی ایک سستی سی بات ہے۔ غیر سنجیدہ اور مضحکہ خیز۔ ایک چھوٹے سے کھلونے کا اینٹھ کر غبارے کی طرح پھول اور پچک کر سکڑ جانا ــــ اگر یہی محبت کی انتہا ہے تو پھر اس محبت میں اور سرکس کے قلابازیوں والے تماشے میں فرق ہی کیا ہے۔ خدا بڑا مذاقیہ قسم کا رہا ہوگا، اس نے سوچا، جو آدمی کو اتنا عقلمند بنا کر بھی اس نے اس بھونڈی حرکت کو انسانی وجود کی لازمی شرط بنا دیا۔ مضحکہ خیز لیکن ناگزیر۔

اس کے دل میں آیا کہ ایک جھٹکا دے کر اٹھ کھڑی ہو اور اس آدمی کو دھکیل کر اس کی رانوں کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔ لیکن جب بلازر کنارے پر آجانے کے بعد سمٹنے لگا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اس فعل میں مصروف ہوتے وقت ہی مکمل ہے۔ ورنہ بالکل اکیلی اور بے مقصد ہے۔ ادھورے پن کا یہ احساس، جوار اُتر جانے کے بعد سمندر کے ساحل پر، اکیلے چھوڑ گئے کسی پتھر کی تنہائی کی طرح اسے گھیرنے لگا۔ وہ اتنی لاچار محسوس کرنے لگی کہ رو پڑی۔ ہچکیوں سے اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔

"روزمت! اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ میں جانتا ہوں کہ اس بار ہم دونوں منزل پر اکٹھے نہیں پہنچے۔ لیکن روؤمت" بلازر نے پچھلی چھاتیوں کو تھپتھپا کر، دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں... میں تمہیں پیار نہیں کر پا رہی" کوآن نے سسکیوں میں ڈوب کر بیچ بیچ کر ٹوٹ جانے والی آواز میں کہا۔

"لیکن ہمارے درمیان یہ پیار کا سوال اب کہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا؟"

بلازر نے کہتے ہوئے سوچا، "یہ عورت کچھ زیادہ ہی بے وقوف ہے"

کوآن کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ "لیکن میں تمہیں چاہتی ہوں... پیار کرنا چاہتی ہوں" اس نے کہا۔

بلازر دھیرے دھیرے ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کوآن کے جذبات کے ردوں کی یہ الجھن اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس نے بہت کچھ برداشت کیا تھا۔ لیکن وہ موڈ کے الجھاؤ کا شکار کبھی نہیں ہوا تھا۔ اتنی گھاٹیوں میں سے ہو آنے پر بھی تھکن ہی ہوئی تھی لیکن بیزارگی نہیں تھی۔ وہ اُترنے کی تیاری کرنے لگا۔

لیکن کوآن نے اسے پکڑ لیا۔ "نہیں، مجھے اکیلا مت چھوڑو۔ زور سے مضبوطی سے پکڑو مضبوطی سے" وہ بڑبڑائی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی، لیکن

اس کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ملارز کے گرد کوآئی کی ننگی باہوں کے نازک حلقے تنگ ہونے لگے اور اس نے محسوس کیا کہ وہ دوبارہ جاگ رہی ہے۔

ملارز نے کوآئی کے کندھوں کو ہتھیلیوں میں پکڑ کر بھینچتے ہوئے، ایک بار اس کے بالوں سے اٹھتی ہوئی خوشبو کو پی کر گردن کے پچھلے حصے پر چوما اور پھر جھپٹ کر کشتی پر سوار ہوگیا۔ اس دفعہ بہاؤ اتنا تیز تھا کہ کوآئی لطف سے حیرت زدہ اور بے سدھ ہوگئی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ پگھلتی جا رہی ہے اور اس کے تپتے ہوئے لہو میں تیرتے ہوئے گلابوں کی اوس میں بھیگی کلیاں چٹک چٹک کر مہکتی جا رہی ہیں۔ کندھوں کو تھرتھرا کر گھٹنوں کے موڑوں پر سے اوپر کی طرف سرکتی ہوئی آگ کی ریشمی لپٹیں۔ اس کی جلد پر کپکپانے لگیں۔ سیدھی، دلدلی، سرنگ کے تنگ راستے پر اندر کو پھیلتی ہوئی نوکیلی چٹان کی آمد و رفت کے ساتھ ساتھ وہ بے بس ہوتی چلی گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ مر جائے گی۔

اور جب سمندر کی لہروں نے پچھاڑ پچھاڑ کر اس کی تھکان دھو دینے کے بعد اسے ساحل پر لا کر پٹک دیا، تو وہ سکون کے بادلوں سے ڈھکی ہوئی دیر تک بے حس پڑی رہی۔ ملارز نے آہستہ سے اس کے ہونٹوں کو چھوا، وہ کسمسائی۔ لیکن پھر چپ ہوگئی۔

جب دوبارہ اندھیرے اور روشنی کا فرق اس تک لوٹ آیا تو اس نے پہلی بار جانا کہ ملارز کتنا ہلکا ہے۔ اسے خیال آیا کہ اس کے جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ لیکن وہ اسی غار میں سدا رہنا چاہتی تھی۔ اس نے ملارز کے سینے پہ گال رگڑتے ہوئے کہا "تم کہاں ہو، کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

وہ چپ رہا۔ تھوڑی دیر تک دونوں یوں ہی پڑے رہے۔ پھر ملارز بولا،

"کیا کر رہی ہو؟"

کوآئی کے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ ملارز اس سے کیا پوچھ رہا ہے۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں تھی۔

"تم مجھے چاہتے ہو، نا؟" کوکی نے پوچھا۔ وہ مطمئن ہونا چاہتی تھی۔

"ہاں" طارز نے یوں ہی سا جواب دیا۔ کوکی نے محسوس کیا کہ اس ایک سوال نے ان دونوں کو دوبارہ الگ الگ پھینک دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں، ایک دوسرے کو مان نہیں سکتے۔

جنگل میں رات کی آمد سے پہلے تیرنے والی آوازیں ان تک پہنچنے لگی تھیں۔ کوکی نے محسوس کیا کہ دیر ہو گئی ہے۔

"اندھیرا ہو گیا ہو گا" تب طارز نے کہا۔ کوکی نے سمجھا کہ وہ اُٹھ جانا چاہتا ہے۔ اس نے طارز کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ جتنی دیر ہو سکے، اتنی ہی دیر سہی۔

جب اس نے کپڑے پہن کر دروازہ کھولا تو بھی وہ لیٹی ہی ہوئی تھی۔ اس کی تھکان ڈھل چکی تھی لیکن وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ باہر آسمان گہرا نیلا ہو رہا تھا۔ طارز نے کتے کو بلانے کے لیے سیٹی بجائی۔ پھر وہ مڑا اور لیٹی ہوئی کوکی کے پاس اسٹول پر بیٹھ کر مسکراتا ہوا بولا، "اُٹھو گی نہیں؟"

"نہیں" کوکی نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ ایک بچے کی طرح خوش تھی۔

"مجھے اٹھاؤ" کوکی نے دوبارہ کہا۔

"ارے نہیں، اتنی بڑی ہو کر بھی..."

"پلیز... اٹھاؤ نا" کوکی نے مچلتے ہوئے کہا۔

اس نے ہاتھ پکڑ کر کوکی کو اٹھایا۔ کپڑے ٹھیک کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوکی نے گون کے نیچے کوئی انڈروئیر نہیں پہن رکھا تھا۔

"پھر کب آؤ گی؟" مجبوبیری کو تالا لگانے کے بعد آنگن پار کرتے وقت طارز نے پوچھا۔

"کہہ نہیں سکتی، میں آؤں یا نہ آؤں۔ وقت ملا تو آؤں گی، نہیں تو چھٹی"...

چڑھانے کے لیئے مسکرا رہی تھی۔ "اچھا، یہ بات ہے؟" وہ بولا۔

"ہاں، یہی بات ہے" کوئی نے انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا۔

"آنا پڑے گا" ملارز بولا۔

"نہیں آئیں گے، نہیں آئیں گے" کوئی نے کہا۔

"چلو رہی"

"رہی تو رہی"

ملارز کوئی سے ایک قدم آگے چل رہا تھا، اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے جھٹکے سے مڑ کر کوئی کی بانہوں میں بھر لیا۔ چومنے سے پہلے اس نے کوئی کی تھوڑی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ بھیگی آنکھیں ہی مست کر دینے والی تھی۔ گویا کسی نے ڈھیر سا کاجل انڈیل دیا ہو؟

پھر کوئی نے یکا یک اپنے آپ کو چھڑا لیا اور دوڑنے لگی، موڑ پر جا کر مڑی، ملارز کو دیکھ کر ہنسی، ہاتھ ہلایا اور رنگینی ہال کے گیٹ کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔

آسمان پر چاند مسکرا رہا تھا۔

۱۵

اتوار کو کلیفورڈ کو نہ جانے کیا سوجھا کہ صبح چائے پینے کے بعد وہ کوئی کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ موسم خوشگوار تھا اور کرسی میں انجن لگا ہونے کی وجہ جنگل تک جانا کوئی زیادہ مشکل نہ تھا۔

جنگل میں داخل ہونے کے بعد کرسی آہستہ آہستہ چڑھائی پر چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح چڑھنے کے بعد وہ دونوں پہاڑی کے اوپری حصہ پر پہنچ گئے۔

نیچے دور تک جنگل پھیلا ہوا تھا۔

"گاؤں کیسا چُپ چاپ پھیلا ہوا ہے۔ اور ہمارا مکان! حویلی کچھ پرانی پڑ گئی ہے اس کی مرمت کرائیں گے" کلیفورڈ نے کرسی کے انجن کو بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، خیال تو اچھا ہے، لیکن اگر پھر ہڑتال ہو گئی تو مزدور کہاں سے آئیں گے؟" کونی نے بھی ہال کی پرانی عمارت کے پار پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہڑتال ہڑتال، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اِن مزدوروں کو ہڑتال کرنے میں کیا ملتا ہے؟"

"مزہ آتا ہو گا۔ ملیں بند ہو جاتی ہیں تو انہیں چھٹی مل جاتی ہے" کونی نے کہا۔

"کیا عورتوں جیسی باتیں کرتی ہو، ملیں نہیں چلیں گی تو یہ حرامی روٹی کہاں سے کھائیں گے"

کلیفورڈ اس دن کچھ موڈ میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگل میں آ جانے سے اس کا پرانا جوش لوٹ آیا ہے۔ اسی لئے وہ بحث کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن کونی بحث کرنا نہیں چاہتی تھی، وہ تو کلیفورڈ کے ساتھ جنگل میں بھی نہیں آنا چاہتی تھی لیکن مجبوری تھی۔

"اگر ذرا سختی سے کام لیا جائے تو ہڑتال وڑتال سب بند ہو سکتی ہیں" کلیفورڈ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"کیسے؟" بات چیت جاری رکھنے کے لئے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھنے کے سوا کونی اور کیا کر سکتی تھی!

"ارے کیسے کیا! ان سالوں کو ڈنڈے مار کر سمجھانا ضروری ہے کہ اگر ملیں نہیں ہوں گی، کوئلے کی کانیں نہیں ہوں گی، سرمایہ دار نہیں ہوں گے تو یہ کھائیں گے کہاں سے۔ ملیں بند ہو جائیں گی تو ہم بھوکے نہیں مریں گے کونی بھوکے

تو بھی مزدور مریں گے جو چند لوگوں کو مفر کانے پر جھنڈا اٹھا کر انقلاب انقلاب کا نعرہ لگاتے ہوئے فیکٹریاں بند کرنے پر آمادہ تو ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن یہ امیر اور غریب کا فرق!" کوٹی نے سوچا کہ اگر اس نے ٹوکا نہیں تو کلیفورڈ کی بات کبھی بند نہیں ہو گی۔

"سب قسمت کی بات ہے۔ امیری غریبی کسی کے ہاتھ میں تھوڑا ہی ہے۔ اب تم ہی کہو کہ سارے امیر غریب اور غریب امیر ہو جائیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں؟ کیا مزدور آدمی نہیں ہوتے؟ وہ امیر نہیں ہو سکتے؟ ان کا کوئی حق نہیں ہے؟" کوٹی کو اپنے سامنے کرسی میں بیٹھے ہوئے مفلوج لیکن مغرور آدمی کی شیخی سے نفرت ہونے لگی۔

"آدمی! کیسی باتیں کرتی ہو کوٹی، یہ سب جانور ہیں۔ انہیں کوئی بے وقوف ہی آدمی کہے گا۔ یہ شروع سے گدھوں کی طرح بوجھ اٹھاتے آئے ہیں اور زندگی بھر بوجھ ڈھوتے رہیں گے۔ ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے۔ اور یہ لوگ بھی اسی میں خوش ہیں۔ زمانہ چاہے کہیں سے کہیں پہنچ جائے، یہ جیسے کے ویسے ہی رہیں گے۔ تم جمہوریت اور روش کی جتنا جی چاہے بکواس کر لو لیکن ان کے لیے سب برابر ہے۔ یہ اسی طرح مفت کی روٹیاں توڑیں گے، درجنوں بچے جنیں گے اور ہمیشہ اسی کوشش میں لگے رہیں گے کہ کوئی مفت میں کھلانے والا مل جائے۔ سالے ..."

جب کلیفورڈ کو واقعی غصہ آنے لگتا تو وہ اتنا جوشیلا ہو جاتا کہ کوٹی کچھ ڈر سی جاتی۔ وہ جو کچھ کہتا، اسے کاٹنے کی ہمت نہ کرتی۔

کوٹی کو سہما ہوا دیکھ کر کلیفورڈ نے دوبارہ کرسی کا انجن اسٹارٹ کیا۔ جب تک دونوں بالکل اوپر تک نہیں پہنچ گئے، کوئی بات چیت نہ ہوئی۔

پھر ایک درخت کے پاس کرسی روک کر کلیفورڈ نے بات کی کڑی جوڑتے

ہوئے کہا، "مجھے کبھی یہ حقوق والی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ضرورت ہنٹروں کی ہے۔ جو کچھ اس کرے گا لگاؤ سالے کے ہنٹر۔ پھر دیکھو، کون بولتا ہے!"

"لیکن اگر ہنٹر والوں کا راج آ گیا تو تم کیا کرو گے؟"

"کیوں؟ میں کیا نہیں کر سکتا؟ کیا صرف ٹانگیں بیکار ہو جانے سے آدمی ناکارہ ہو جاتا ہے؟ میں راج کر سکتا ہوں اور کروں گا۔ اگر تم مجھے ایک لڑکا دے دو تو میرے بعد وہ راج کرے گا۔"

"لیکن اس کی رگوں میں تمہارا خون کہاں ہو گا؟" آخری لفظ بولتے وقت کونی کچھ لڑکھڑا گئی۔ اسے خود بھی یہ امید نہ تھی کہ وہ اتنی کھری بات کہہ دے گی۔

"میں اس کی کیا پرواہ کرتا ہوں کہ اس کی رگوں میں میرا خون ہے یا نہیں۔ مجھے کسی بھی مہذب، اعلیٰ طبقے کے آدمی کی اولاد دے دو، میں اسے اصلی لارڈ بنا دوں گا۔ خون سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تعلیم و تربیت سے پڑتا ہے۔ کسی بھکاری کی اولاد کو محلوں میں لے جا کر رکھ دو، سمجھا شہزادہ بن جائے گا۔ سب سدھانے کی بات ہے۔"

اتنا سب کہنے کے بعد کلیفورڈ چپ ہو گیا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ وہ دیر تک اپنی بات کہہ لینے کے بعد اکثر چپ ہو جاتا اور دیر تک چپ رہتا تھا۔

دونوں جھونپڑی کے پاس آ پہنچے تھے۔ کونی مڑنے والی ہی تھی کہ اسے سیٹی کی ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے جھٹکے سے گھوم کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ ملارز کھڑا تھا۔

"کیا سر کلیفورڈ جھونپڑی کی طرف جا رہے ہیں؟" وہ اپنی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ کو دبا کر بولا۔

"نہیں۔" کونی کی آنکھوں میں بھی ہلکی سی شرارت جھلکی لیکن بظاہر وہ سنجیدہ بنی رہی۔

اس وقت تک کلیفورڈ کچھ آگے نکل گیا تھا تھوڑے سے فاصلے پر ایک موڑ تھی اور موڑ پر پیچھے لوٹنے والی سڑک کے ساتھ ساتھ چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔
کوتی جب موڑ پر پہنچی تو کچھ دور تک تو ٹھیک رفتار سے چڑھائی پر چلتی رہی، لیکن پھر لڑکھڑانے لگی۔ کلیفورڈ نے رفتار کم ہوتی ہوئی دیکھ کر، گیئر بدلا۔ انجن ایک دوبارہ غرایا اور پھر پھٹ پھٹ کرتا ہوا بند ہو گیا۔ کلیفورڈ جھنجلا کر انجن کو بند کر کے دوبارہ اسٹارٹ کرنا چاہا لیکن بے کار۔ انجن بند ہو چکا تھا۔ کرسی ڈھلان پر رک گئی۔
"دھکا لگاؤں کیا؟" کوتی نے پوچھا، "اسے کیا ہو گیا ہے۔"
"نہیں دھکا لگانے کی ضرورت نہیں۔"
"تو پھر رکھوالے کو بلا لیتے ہیں۔ وہ تھوڑی دور تک دھکا لگائے گا تو انجن اپنے آپ اسٹارٹ ہو جائے گا۔"
"نہیں رکھوالا کیا کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ انجن گرم ہو گیا ہے۔ ذرا تھوڑی دیر تک یوں ہی بند پڑا رہنے دو۔ پھر ٹھنڈا ہو جائے گا تو چلنے لگے گا۔"
کوتی پھر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد کلیفورڈ نے دوبارہ انجن کا سوئچ دبایا۔ لیکن کرسی ذرا کانپ کر وہیں کھڑی رہی۔
"میں پہیوں کے نیچے پتھر لگا دیتی ہوں تاکہ پھسلنے کا خطرہ نہ رہ جائے،" کوتی نے کہا اور وہ پتھر لا کر پہیوں کے نیچے رکھ دیا۔
جب کئی بار انجن سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر بھی وہ اسٹارٹ نہ ہوا تو کوتی نے کھڑے ہو کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا، "رکھوالے کو کیوں نہیں بلا لیتے؟"
"خدا چپ رہو۔" کلیفورڈ نے جھنجلا کر کہا اور سوئچ بورڈ پر گیئر بدل کر انجن کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
"تم اپنے کو تو تھکا دو گے ہی، انجن کا بھی ایک آدھ پرزہ توڑ ڈالو گے،" کوتی

نے کلیفورڈ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ملارز کی بلاؤ۔ وہ اپنے آپ دیکھ سمجھ لے گا" یہ کہہ کر اس نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ ہارن کی آواز جنگل میں گونجنے لگی۔ جب تین چار بار ہارن بج چکا تو کلیفورڈ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

تب ہی ملارز سامنے آیا۔ کتا ساتھ تھا۔

"کیوں بھئی گاڑی کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہو" کلیفورڈ نے سوئچ پر ہاتھ رکھے رکھے پوچھا۔

"جی، انجن کے بارے میں تو مجھے کوئی واقفیت نہیں ہے۔"

"بس! یار تم کیا کرو گے، اچھا، ذرا نیچے جھک کر دیکھو، کہیں کوئی پرزہ تو ٹوٹا ہوا نہیں دکھائی دے رہا۔"

ملارز نے اپنا کوٹ اتار کر، بندوق کو درخت کے تنے پر ٹکا کر اور کرسی کے پاس لیٹ کر اس طرح گھسا کہ اس کا چہرہ کرسی کے نیچے چھپ گیا۔ اس نے انجن کو ایک آدھ بار چھوا بھی لیکن کچھ سمجھ نہ سکا۔ پھر کھڑا ہو کر بولا، "جی، مجھے تو کوئی چیز ٹوٹی ہوئی دکھائی نہیں دی۔ ویسے کوئی میکانک ہی کچھ ٹھیک بتا سکتا ہے۔"

"یہاں جنگل میں اس وقت میکانک کہاں سے آئے گا" کلیفورڈ نے کچھ جھنجلا کر کونی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کونی چپ چاپ تھی۔

"جی، میں دھکا لگا کر دیکھ لیتا ہوں، شاید کوئی فرق پڑ جائے۔"

"نہیں، نہیں، دھکا لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔" کلیفورڈ نے اسے جھڑکارتے ہوئے کہا۔

کونی کو شاید کلیفورڈ کا یہ کمینہ پن برا لگا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا،

"لیکن کلیفورڈ اتنی دیر سے تم یہی کہہ رہے ہو کہ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی، اسے بھی آپ ٹھیک ہو جائے گی اور ہوا کچھ بھی نہیں۔"

کلیفورڈ غصے سے لال ہو گیا۔ اس نے ہونٹ کاٹ کر گیئر بدلے، کرسی لڑکھڑا کر تھوڑی دور چلی، پھر رک گئی۔

"اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ ہم دھکا لگا کر گھر تک لے جاتے ہیں۔"

"دھکا یا دھکا لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو، اب یہ اسٹارٹ ہو گئی ہے۔ تھوڑی دور تک چلی بھی ہے۔ ایک بار اور کوشش کروں گا تو فراٹے بھرنے لگے گی۔"

"اس میں پٹرول نہیں ہے۔ کلیفورڈ، مذمت کرو"، کونی نے کہا۔

کلیفورڈ چپ رہا۔ اس نے ایک آدھ بار اور انجن کو اسٹارٹ کیا۔ کرسی ذرا سی دیر تک غرانے کے بعد آگے بڑھی۔ تھوڑی دور تک راستہ پر سیدھی چلتی رہی۔ لیکن تب ہی پہیے ایک دم مڑ گئے اور کرسی پکی سڑک سے اچھل کر ناہموار زمین کی طرف بڑھنے لگی۔

"کلیفورڈ" کونی چلائی۔

لیکن اس وقت تک ملارز نے آگے بڑھ کر کرسی کو تھام لیا تھا۔ اس نے کرسی کو سیدھا کیا اور سڑک پر لا کر دھکیلنے لگا۔

انجن کی کھڑکھڑ جاری تھی۔

"دیکھا تم نے، کرسی چلنی شروع ہو گئی نا!" اس نے چہرے پر مسکراہٹ لا کر کونی کی طرف دیکھا۔

لیکن پیچھے مڑتے ہی اسے کرسی کے ساتھ ساتھ چلتا ملارز کا چہرہ دکھائی دیا۔

وہ جھینپ گیا اور صرف یہی کہہ سکا "اچھا تو تم اسے دھکیل رہے ہو۔"

"دھکیلے بغیر یہ ایک انچ بھی نہیں چلے گی۔" ملارز سے کہی گئی بات کا جواب

کونی نے دیا۔

"چھوڑ دو، یہ آپ ہی آپ چلے گی،" کلیفورڈ ترش روئی سے بولا۔

اب تو ملارز کو بھی غصہ آنے لگا تھا لیکن اپنی حیثیت کو سمجھتے ہوئے اس نے چپ رہنا ہی بہتر سمجھا اور کرسی کو چھوڑ کر درخت کے پاس چلا آیا۔ درخت کے تنے سے ٹکی ہوئی بندوق کے نیچے پڑا ہوا کوٹ پہننے کے بعد اس نے کتے کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سیٹی بجائی اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کب کلیفورڈ کی کرسی کا انجن اسٹارٹ ہو اور کب وہ جھونپڑی کی طرف واپس لوٹے۔

لیکن انجن کو اسٹارٹ نہ ہونا تھا، نہ ہوا۔ ہار کر کلیفورڈ کو ملارز سے کہنا ہی پڑا "بھئی یہ تو آج مانتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ذرا تھوڑی دور تک دھکا لگاؤ۔ برا تو نہیں مان گئے تم میری ضد کا۔"

"جی نہیں،" ملارز دل ہی دل میں ہنسا۔ "برا ماننے کی کیا بات ہے؟"

کرسی چڑھائی پر تھی۔ تھوڑی دیر تک تو ملارز آرام سے کرسی دھکیلتا رہا۔ لیکن پھر اس کی سانس پھولنی شروع ہو گئی۔ گذشتہ بخار کے بعد وہ ویسے بھی کمزور پڑ گیا تھا۔ اس کی سانس زور زور سے چلنے لگی اور چہرہ لال ہو گیا۔

کونی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل ملارز پر ہی تھیں۔ وہ جان گئی کہ زیادہ دور تک کرسی اور کلیفورڈ کا بوجھ دھکیلنا ملارز کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسے پہلے اپنے آپ پر غصہ آیا، پھر کلیفورڈ پر، جس کی وجہ سے ملارز کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑ رہی تھی۔

آخر جب اس سے نہ رہا گیا تو اس نے بھی کرسی کے پیچھے پر ہاتھ رکھ کر دھکیلنا شروع کر دیا۔

کلیفورڈ کو کچھ تعجب ہوا۔ نوکروں کے ہوتے ہوئے کام کو ہاتھ لگانا

اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں توہین سمجھی جاتی تھی۔

کوتی کے ہاتھ لگانے سے کرسی کی رفتار تیز ہو گئی۔

"تمہیں دھکیلنے کی کیا ضرورت ہے" کلیفورڈ نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

"کیوں؟" کوتی نے تیکھی آواز میں جواب دیا" تم اس بیچارے کو مار ڈالنا چاہتے ہو۔ جانتے نہیں، یہ ابھی ابھی بیماری سے اٹھا ہے۔۔۔"

لیکن وہ بات پوری نہ کر سکی، ہانپنے لگی۔ چڑھائی پر کرسی دھکیلنے میں واقعی بہت زور لگانا پڑتا تھا۔

"آہستہ کر دوں؟" ملارز نے کوتی کو ہانپتا دیکھ کر چپکے سے پوچھا۔

کوتی نے ایک بار ملارز کی طرف دیکھا پھر کرسی پر رکھے ہوئے اس کے ہاتھوں کی طرف۔ وہ ان کھُردرے ہاتھوں کا لمس کوتی خوب پہچانتی تھی، لیکن اس نے ان ہاتھوں کی طرف اس سے پہلے کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ہاتھوں کو دیکھنے سے اس کے جسم میں خوابیدہ کھُردرے لمسوں کے سارے کانٹے دوبارہ سر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے دل نے چاہا کہ جھک کر ملارز کے ہاتھوں پہ ہونٹ رکھ دے۔

پہلے تو وہ ڈری۔ لیکن پھر نہ رہ سکی۔ اس نے آہستہ سے ملارز کی کلائی کو اپنی انگلیوں میں لپیٹ لیا۔ ملارز نے کچھ نہیں کہا۔ شاید دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔ پھر کوتی جھکی اور جھک کر ملارز کے ہاتھوں پر ہونٹ رکھے رکھے آگے بڑھتی رہی۔

ملارز نے ایک بار حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر کرسی دھکیلنے میں لگ گیا۔

سر کلیفورڈ اسی طرح کرسی میں بیٹھے رہے۔ نڈھال اور خیالات میں گم۔

کوتی دل ہی دل میں دونوں مردوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ ایک اس کا شوہر تھا، دوسرا اس کی ہونے والی اولاد کا باپ۔ دونوں مردوں میں کتنا فرق تھا! کوتی نے دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پہلی بار سمجھا کہ نفرت کیا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کلیفورڈ سے

نفرت کرتی ہے۔ ناقابلِ برداشت نفرت۔ اس کا بس چلے تو وہ ایسی جگہ چلی جائے
جہاں کلیفورڈ کا سایہ تک اس پر نہ پڑے۔ پھر اس نے ملارز کے بارے میں سوچا اور
اسے حیرت ہونے لگی کہ ملارز کے آجانے سے اس کی زندگی کا رخ کس طرح بدل گیا تھا۔
وہ اداس قبرستانوں کی بھوری مُردنی سے ہرے بھرے میدانوں کی طرف لوٹ آئی تھی۔
اسے محسوس ہوا کہ اگر ملارز نہ آتا تو وہ کلیفورڈ کی لاچاری کا بوجھ ڈھوتے ڈھوتے اکتا کر
خودکشی کرلیتی۔ اب اس آدمی کے ساتھ رہنا شاید کبھی ممکن نہ ہوگا۔ کونی نے دل ہی
دل میں کہا۔

اب تک دونوں پسینے سے تر بتر ہوگئے تھے۔ کونی کو حیرت ہو رہی تھی کہ کس
طرح ساتھ ساتھ ایک ہی کام کرنے سے ان دونوں کی دوستی اور گہری ہوگئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد حویلی کے آنگن کو پار کرکے وہ اندرونی دروازے تک آپہنچے۔

"شکریہ ملارز، بہت بہت شکریہ! تمہیں بڑی تکلیف ہوئی۔"

"نہیں جناب، اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟ یہ تو میرا فرض ہے۔"

"خیر دیکھو، جانے سے پہلے کھانا کھاتے جانا۔ کونی! مسز بولٹن سے کہدو کہ ملارز
کے کھانے کا انتظام کردے۔" کلیفورڈ نے فراخدلی دکھاتے ہوئے کہا۔

"جی، کھانے کی تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے! میں اب اپنی ماں کے یہاں
جارہا ہوں۔ کھانا وہیں کھالوں گا۔"

"ہمارا خیال تو تھا کہ تم کھانا یہیں کھاتے۔ لیکن اب اگر نہیں چاہتے تو تمہاری مرضی!"
ملارز نے سلوٹ کیا۔ کونی کی طرف دیکھا اور چل دیا۔

کونی سلگتی رہی۔ آخر لنچ کے وقت جب کلیفورڈ نے دوبارہ بڑھ چڑھ کر باتیں
کرنی شروع کردیں تو وہ بھڑک اٹھی۔

"تم نوکروں سے اتنی سختی سے کیوں پیش آتے ہو؟" وہ شوربے میں چمچہ چلاتے

ہوئے بولی۔

"میں نے کسی کو کیا کہا ہے؟"

"کیوں، تم نے آج جنگل میں اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اگر تم ایسا سلوک کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہو تو ۔ ۔ ۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں سمجھا نہیں۔" کلیفورڈ بیچ میں ٹوک کر بولا۔

"تم کیوں سمجھو گے؟ ایک آدمی جو بیچارہ کمزور ہے، ابھی بیماری سے اٹھا ہے تمہیں اسے اپنی کرسی دھکیلنے کے لیے کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اگر اس کی جگہ تم ہوتے تو کیسا محسوس کرتے؟"

"اوہ! تو یہ بات ہے! میری طرف دیکھو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ تم آدمی آدمی میں فرق نہیں کرتیں۔ ہماری خدمت کرنے کے سوا اس کا اور کام ہی کیا ہے۔ اگر میں نے اس سے ذرا اپنی کرسی دھکیلنے کے لیے کہا تو ایسا کیا جرم ہو گیا؟"

"جرم! تمہیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں کہ بیچارہ کڑی دھوپ میں ہانپتا ہانپتا تمہاری کرسی کو دھکیل کر یہاں تک لایا۔"

"ہمدردی کرنے کے لیے دنیا میں اور بہت سے لوگ ہیں۔" کلیفورڈ نے ابلے آلو کا ایک ٹکڑا کانٹے سے اٹھاتے ہوئے منہ میں رکھنے کے بعد کہا۔ "میں تو یہ جانتا ہوں کہ اس دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ مالک اور نوکر۔ مالک، مالک رہیں گے اور نوکر، نوکر۔"

"لیکن وہ بھی تو تمہاری طرح ایک آدمی ہے۔" کونی پلیٹ پر چھری رکھتی ہوئی بولی۔

"میں اس سے کب انکار کرتا ہوں؟" کلیفورڈ نے کہا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ کونی دل ہی دل میں اس کے خلاف فیصلہ دے چکی ہے۔ اور زیادہ بولنے سے بات الجھے گی ہی، سلجھے گی نہیں۔

"انکار نہیں کرتے تو اور کیا کرتے ہو؟ دولت نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔ تم صرف انصاف، حق اور جمہور کا ڈھنڈورا پیٹ سکتے ہو۔ آدمی کو آدمی نہیں سمجھ سکتے۔"

اسی وقت کافی آگئی۔

کھانا کھا کر کوتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لیکن اس کا پارہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ مجھے بھی اپنا غلام سمجھتا ہے۔ سمجھتا ہے جیسے اس حویلی میں اور چیزیں خریدی ہوئی ہیں۔ اسی طرح میں بھی اس کی زر خرید لونڈی ہوں۔ مہذب بنتا ہے! ہونہہ، جنگلی کہیں کا،

پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کے لیئے ناراض ہونا بھی فضول ہے۔ وہ اس سے اتنی شدید نفرت کرتی ہے کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔

شام کو وہ صرف کھانا کھانے کی غرض سے تھوڑی دیر کے لیے نیچے آئی اور کھانا کھانے کے بعد آکر بستر پر لیٹی رہی۔ تھوڑی دیر تک سست پڑی رہی۔ لیکن پھر خود بخود اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے اُٹھ کر دیکھا، گھر بالکل سنسان تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شاید نوکر چاکر باورچی خانے میں مصروف تھے اور کلیفورڈ لائبریری میں۔ برآمدے، سیڑھیاں اور لان بالکل خالی تھے۔

وہ ایک شب خوابی کا گون پہن کر چپ چاپ نیچے اُتری۔ کلیفورڈ اور مسز بولٹن تاش کھیل رہے تھے۔ یہ لوگ ابھی دو تین گھنٹے اسی طرح معروف رہیں گے، اس نے سوچا اور اسی طرح دبے پاؤں اپنے کمرے میں واپس لوٹ گئی۔

کمرے میں آکر اس نے پاجامہ بدلا اور گون پر ایک اونی سوئیٹر پہن لیا۔ ربر کے جوتے اور کوٹ پہن کر وہ بالکل تیار ہو گئی۔ اب اگر کوئی اسے جنگل میں جاتا دیکھتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ چہل قدمی کے لیئے جا رہی ہے۔ اور صبح کو کوئی اسے لوٹتا دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ وہ سیر سے لوٹ رہی ہے۔ ایک خطرہ یہی تھا کہ رات کو کوئی اس کے کمرے میں

نہ آجائے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ آج تک کبھی، کسی کو رات گئے، لیڈی چیٹر کی کو جگانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

چوکیدار نے گیٹ پر ابھی تک تالا نہیں لگایا تھا۔ وہ چپ چاپ تیزی سے چلتی ہوئی جنگل میں داخل ہو گئی۔ آسمان پر آدھا چاند چمک رہا تھا۔ رات روشن نہیں تھی، لیکن اتنی روشنی تھی کہ راستہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ کونی تیز قدموں سے بڑھتی رہی۔ اس کے دل میں ہوس کی کوئی چاہ نہیں تھی، نہ ہی جسم میں کوئی تناؤ تھا۔ وہ تو صرف ناراض تھی ـــ کلیفورڈ کے زخم خوردہ غرور سے۔

۱۶

ملازم جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کے بعد سے اسے بار بار یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کونی اس سے ملنے آئے گی۔ جھونپڑی میں ٹمٹماتی ہوئی لالٹین دور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

اسی لیے کونی کو آتا دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر 'ہیلو' کہا اور اندر آ گئے۔ اندر جا کر ملازم نے دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دی۔ جھونپڑی کا اس طرح دروازہ کھلتے، اندر جاتے ہی، دروازہ بند ہو جانے اور لٹکم لٹکتے ہوئے اندھیرے میں کمرے میں رہنے کی وجہ کونی نے ایسا محسوس کیا گویا جیسے وہ جھونپڑی نہیں بلکہ جیل کی کوٹھری ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ آگ پر رکھی ہوئی کیتلی میں پانی اُبل رہا تھا۔ قریب ہی ایک میز پر کپ بھی رکھے ہوئے تھے۔

وہ آگ کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔ باہر ٹھنڈ میں سے ہو کر آنے کے بعد آگ کے پاس بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔

"میں اپنے جوتے اتار لوں، بالکل بھیگ گئے ہیں۔" اس نے کہا اور جوتوں کے تسمے کھولنے لگی۔

ملازم کھانے کے لیے باورچی خانے کی الماری میں کچھ ڈھونڈنے لگا۔

کوتی کو گرمی لگنے لگی تھی۔ اس نے کوٹ اتار دیا۔ وہ کوٹ ٹانگنے کے لیے کوئی جگہ ڈھونڈ رہی تھی کہ ملازم نے آکر کوٹ پکڑ لیا اور دروازے کے ساتھ ٹانک دیا۔

"تم چائے پیوگی یا کافی؟" اس نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں لوں گی۔ تم انتظار مت کرنا۔ کھانا شروع کرو۔"

"نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ البتہ کتے کو کچھ ڈال دیتا ہوں۔" ملازم نے کہا اور کرسی پر بیٹھ کر کتے کے کٹورے میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے بھگوتا ہوا اسے سیٹی بجا کر بلانے لگا۔ کتے کو کھلا چکنے کے بعد اس نے کٹورہ اٹھا کر ایک کونے میں رکھا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر بوٹوں کے تسمے ڈھیلے کرنے لگا۔

اب تک دونوں میں سے کوئی بھی بات چیت شروع کرنے کی ہمت نہ کر رہا تھا۔ کوتی نے وقت کاٹنے کے لیے جھونپڑی کے چاروں طرف نظر دوڑانی شروع کی۔ سامان کم ہونے کی وجہ سے کمرہ کچھ ننگا ننگا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن اسی وقت کوتی کی نظر ایک تصویر پر پڑی۔ تصویر، ملازم کی کرسی کے بالکل اوپر دیوار سے ٹنگی ہوئی تھی۔ یہ بڑی کی ہوئی تصویر کسی نئے شادی شدہ جوڑے کی تھی۔

"یہ تمہاری تصویر ہے؟" کوتی نے اس سے پوچھا۔

"ہوں! ہاں، شادی پر کھنچوایا تھا۔ اس وقت میں اکیس سال کا تھا۔"

"تمہیں یہ تصویر پسند ہے؟" کوتی نے پوچھا۔

"نہیں، کوتی۔ ایسی خاص پسند تو نہیں ہے۔" اس نے ایک بوٹ کے الجھے ہوئے تسمے کو زور سے کھینچتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اگر تمھیں پسند نہیں ہے تو تم نے اسے یہاں کیوں لٹکائے رکھا ہے؟ اپنی بیوی کی یاد میں؟"

اس نے کوتی کی طرف دیکھا اور مسکرایا، "میں اس قسم کی واہیات باتوں میں یقین نہیں رکھتا۔"

"تو تم اسے سینے سے کیوں چپٹائے ہوئے ہو؟ جلا کیوں نہیں دیتے؟"

اس نے مڑ کر تصویر کی طرف دیکھا۔ تصویر میں ایک داڑھی منڈھا نوجوان اور ایک بھرے بھرے جسم کی لڑکی سامنے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"تم کچھ بے جا تو نہیں کہہ رہی۔" اس نے کہا۔ اب تک وہ جوتے اتار چکا تھا۔ اس نے پاس ہی پڑے ہوئے سلیپر کھینچ کر پہنے اور کرسی پر کھڑے ہو کر تصویر اتار لی۔ تصویر کے شیشے کے اندر کچھ دھول جمی ہوئی تھی۔

"ویسے اسے پھاڑنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔" وہ بڑبڑایا اور اندر سے ہتھوڑی لا کر کیلیں کھولنے لگا۔ تھوڑی دیر میں فریم اور گتا الگ ہو کر تصویر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ تصویر دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"ذرا مجھے دکھاؤ۔" کوتی بولی۔

"تصویر میں وہ بالکل داڑھی منڈھا اور ہٹا کٹا دکھائی دیتا تھا۔

"ایسی چیزیں اٹھا کر رکھنے سے کیا فائدہ؟"

"ہاں، میں تو شروع سے ہی ایسی تصویر کھنچوانے کے خلاف تھا لیکن وہ مانی نہیں۔" اس نے گتے کو توڑا، تصویر کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیشے کو کوڑے میں پھینک کر فریم کے ساتھ سب کچھ آتش دان کی جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ ایک دم گتے اور پرانی لکڑی کے آ پڑنے سے آگ اور کچھ تیز ہو گئی۔

باورچی خانے میں ہتھوڑی رکھ کر واپس آنے کے بعد وہ اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں سچ مچ اپنی بیوی سے پیار تھا؟" کوتی نے پوچھا۔

"پیار" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا "تم سر کلیفورڈ سے پیار کرتی ہو؟"
کوتی جانتی تھی کہ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ لیکن وہ اتنی جلدی چُپ ہو جانے والی عورت نہ تھی۔

"لیکن تمہیں اس سے تھوڑا بہت لگاؤ تو رہا ہو گا؟"

"نہیں" ایسا کچھ نہیں تھا۔"

"کیوں؟" کوتی نے آگ کے مدھم پڑتے ہوئے شعلوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
اس نے کوتی کو جواب نہیں دیا۔ چُپ چاپ کچھ سوچتا رہا۔

"تو پھر تم نے طلاق کیوں نہیں لے لیا؟" کوتی بولی "اس طرح قانونی کارروائی کے بغیر الگ رہنے سے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دن لوٹ کر تم پر اپنا حق جتانا شروع کر دے۔"

"حق؟ اگر اس نے یہاں پاؤں بھی رکھا تو اسے گولی مار دوں گا۔ اور پھر ایسا کبھی ہو گا بھی نہیں۔ میں اس سے جتنی نفرت کرتا ہوں اس سے کہیں زیادہ نفرت وہ مجھ سے کرتی ہے۔"

"لیکن وہ ایک نہ ایک دن لوٹے گی ضرور۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"دیکھ لینا۔ تم نے ابھی تک الگ ہونے کے لیے عدالت میں کوئی درخواست تو نہیں دی ہے نا؟"

"نہیں۔"

"تب تو وہ ضرور واپس لوٹے گی اور تمہیں اسے قبول بھی کرنا پڑے گا۔"
اس نے ایک بار غور سے کوتی کی طرف دیکھا۔ پھر سر کو جھٹکا دے کر بولا "شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ شاید وہ واپس لوٹ کر مجھے پریشان کرے۔ لیکن میں کر بھی

کیا سکتا تھا؟ اس وقت تو میں اتنا پریشان تھا کہ مجھے ان سارے قانونی جھگڑوں کا خیال ہی نہیں آیا۔ بہرحال اب میں اسے طلاق دے دوں گا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

"چائے پیو گے؟ میں تو ایک کپ ضرور لوں گی" کوآن نے دل ہی دل میں ہلکا محسوس کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اٹھ کر چائے بنائی۔ دونوں نے ساتھ ساتھ چائے پی۔ لیکن اس دوران بلارز کا چہرہ سنجیدہ ہی بنا رہا۔

پھر کوآن نے پوچھا "تم نے اس سے شادی کیوں کی تھی؟ مسز بولٹن نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا خاندان تمہارے خاندان سے بھی کم تر تھا۔ میں نے اور جو کچھ بھی اس کے بارے میں سنا ہے ان ساری باتوں سے بھی وہ کوئی ایسی لڑکی تو معلوم نہیں ہوتی جس پر تمہارے جیسا مرد مرمٹے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اسے کیسے پسند کر لیا۔"

بلارز نے چائے کے کپ سے آخری گھونٹ پی کر کوآن کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات شروع کی "میں تمہیں بتاتا ہوں ــــــ میری زندگی میں پہلی عورت اس وقت آئی جب کہ میں سولہ سال کا تھا۔ وہ ہمارے اسکول کے ٹیچر کی لڑکی تھی۔ خوب صورت اور سنٹ کھٹ۔ میں بھی کلاس کے مانیٹروں میں سے تھا۔ لیکن بظاہر نٹ کھٹ ہوتے ہوئے بھی وہ رومانٹک قسم کی لڑکی نہ تھی۔ شعر و شاعری اور ادب سے اسے بہت لگاؤ تھا۔ وہ اکثر مجھے نظمیں پڑھ کر سنایا کرتی۔ ہم لوگ دنیا بھر کے موضوعات پر، پتہ نہیں کیا کیا، بحث کرتے رہتے۔ لیکن ہم دونوں میں صحت مند جسمانی تعلق کبھی قائم نہ ہو سکا۔ اتنی باتیں اور بے تکلفی کے باوجود وہ جنسی ملاپ کو ٹھیک سے ہنیں سمجھی تھی اور میں تھا کہ جسمانی اتصال کے بغیر کسی بھی عورت سے کوئی تعلق رکھنا بیکار سمجھتا تھا۔ آخر ہم دونوں الگ ہو گئے۔ تب میں نے ایک اور لڑکی سے کا ناتا جوڑا۔

کسی زسری اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اور کافی بدنام ہو چکی تھی۔ لیکن اسے بھی عجیب خبط تھا۔ وہ چوما چاٹی، بوس وکنار، لپٹا لپٹی اور رگڑ مسل وغیرہ تو کرنے دیتی لیکن مباشرت کے لیے راضی نہ ہوتی۔ میں جوش میں بھرا، آخری حدوں پر پہنچنے کے بعد بھی بار بار برف کی سلوں پر پھینک دیا جاتا۔ ایک دن جب میں نے زیادتی کی تو اس نے لاش کی طرح ٹانگیں کھول کر پڑے رہنے کے سوا اور کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ہار کر مجھے الگ ہو جانا پڑا۔

"اب مجھے کسی ایسی عورت کی تلاش تھی جسے صرف میں ہی نہ چاہوں، بلکہ جو مجھے بھی چاہ سکے۔

"تب برتھا آئی۔ برتھا کا خاندان ہمارے پڑوس میں رہتا تھا۔ لہٰذا ہم ایک دوسرے کو بچپن سے ہی جانتے تھے۔ بڑی ہو کر برتھا نے کہیں نوکری کر لی تھی۔ کسی ہوٹل یا ریستوران میں کوئی ویٹرس جیسا چھوٹا موٹا کام۔ کئی دنوں تک مجھے اس بات کا گمان تک نہ تھا کہ برتھا سے بھی میری آنکھ لڑ سکتی ہے۔ لیکن تب ہی برتھا لوٹی۔ شہر کی دوسری تمام کام کرنے والی لڑکیوں کی طرح وہ لباس میں سج دھج کا خاص خیال رکھتی۔ اس سے اس کا بھرا بھرا جسم اور بھی پرکشش دکھائی دینے لگتا۔ میں اس وقت اکیس برس کا ہوں گا۔ کلرکی چھوڑ کر نیا نیا گھر واپس لوٹا تھا اور لوہارگیری شروع کر دی تھی۔ میرا باپ مرتے وقت تین سو پونڈ چھوڑ گیا تھا۔ لہٰذا باپ کے مرتے ہی میں نے برتھا سے شادی کر لی۔

"برتھا میں عام عورتوں کی سب اچھائیاں اور برائیاں تھیں۔ شروع شروع میں مجھے اس کی یہ سادگی ایک طرح سے اچھی ہی معلوم ہوئی۔ میں بورژوا لڑکیوں کے نخروں سے اکتا چکا تھا۔ برتھا کو نہ اپنے بارے میں غلط فہمی تھی، نہ میرے بارے میں۔ لیکن جلدی ہی ہم دونوں بھی ایک دوسرے سے اکتانے لگے۔ ایک دن جب میں

گھر آیا تو اس نے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں میں جم کر لڑائی ہوئی۔ بس اس کے بعد تو کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ہو ہی جاتا۔ بستر پر بھی ہم دونوں ایک دوسرے سے کوئی خاص خوش نہ تھے۔ اس کی پیاس اتنی بڑھ گئی تھی کہ جب تک میں گھر میں رہتا وہ ہمیشہ چادر اوڑھے رہنا چاہتی تھی۔ یہی نہیں اکثر میں پہلے خلاص ہو جاتا لیکن وہ تڑپتی ہوئی مجھے جکڑے ہی پڑی رہتی۔ میں تھکا تھکا اور پریشان رہنے لگا۔ ادھر اس کی بھوک حد سے گذر رہی تھی اور ادھر میں دن بدن نڈھال ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے ہمارے بستر الگ الگ ہوئے۔ پھر علیحدگی بڑھ گئی تو ہم نے الگ الگ کمروں میں سونا شروع کر دیا۔ وہ مجھے اور میں اس سے نفرت کرنے لگا۔ پھر یہ بچی ہوئی۔ لیکن اس لڑکی کے آنے سے بھی ہم دونوں کے درمیان کی خلیج پٹ نہ سکی۔ تب ہی جنگ شروع ہو گئی اور میں فوج میں بھرتی ہو گیا۔ جب میں واپس آیا تو وہ میری غیر موجودگی میں کم سے کم آدھی درجن مرد بدل چکی تھی۔"

وہ بولتا بولتا رک گیا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک دونوں چپ رہے۔ آتش دان میں پھینکی گئی تصویر، گتّے کے ٹکڑے اور فریم جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

"پھر تمہاری زندگی میں اس کے بعد اور کون سی عورت آئی؟" کوئی نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"بہت سی عورتیں آئیں۔ شاید سب کے بارے میں بتانا بھی بیکار ہو گا۔ بس ہر بار میں نے یہی محسوس کیا کہ عموماً عورتیں جنس میں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں لیتی ہیں۔ اسے بھی سودے بازی کی ایک شرط مان کر چپ چاپ قبول کر لیتی ہیں۔ پھر دوسری وہ ہوتی ہیں جنہیں مزہ تو آتا ہے لیکن وہ سمجھتی ہیں کہ اگر انہوں نے عدم دلچسپی کا ڈھونگ نہ رچایا تو انہیں غیر مہذب سمجھا جائے گا۔ اس لیے وہ بنتی ہیں۔ ایسی عورتوں سے مجھے ہمیشہ ہی نفرت رہی اور بھی کئی طرح کی عورتیں تھیں۔ خیر، چھوڑو یہ

لیکن کوآئی کئی سوالوں کے جواب معلوم کرنا چاہتی تھی ۔ "تو تمہیں میرے آنے سے خوشی ہوئی یا افسوس ؟" اس نے پوچھا۔

"خوشی بھی اور افسوس بھی ۔"

"کیسے ؟"

"افسوس اس بات کا کہ تم نے میری آزادی چھین لی۔ طرح طرح کی عورتوں سے تنگ آ کر میں نے اپنے آپ کو ایسے دائرے میں محصور کر لیا تھا۔ جہاں میرے چاروں طرف دور دور تک تنہائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اس حال میں مطمئن تھا۔ لیکن پھر تم آگئیں تو میں نے محسوس کیا کہ مرد کی رگوں میں بہتا ہوا خون تپتا ہے تو اس کی ساری تھکان جوڑوں میں کائی کی طرح جمنے لگتی ہے۔ اکیلے پن نے مجھے چڑچڑا بنا دیا تھا۔ میں سوچنے لگا تھا کہ اب بے کار ہو گیا ہوں ۔ اور کبھی جذبات کی تسکین کی خوشی نہیں ملے گی۔ لیکن تمہارے آجانے سے ...."

"تمہیں خوشی ہوئی کیا ؟" کوآئی نے تجسس سے پوچھا۔

"ہاں ، اب میں دھیرے دھیرے بھول رہا ہوں اور شاید ایک دن تمہاری باہوں میں پگھلتا پگھلتا سب کچھ بھول جاؤں گا ۔"

"لیکن تم اتنے اداس کیوں رہتے ہو ؟"

"پتہ نہیں ، شاید ماضی کی یادوں کی وجہ سے۔ آدمی اتنی جلدی سب کچھ بھول تو نہیں سکتا ۔" کونے میں ٹپلی پر بیٹھا ہوا کتا غرایا۔ آتشدان میں جلتی ہوئی لکڑیوں پر راکھ کی پرت گہری ہو گئی تھی۔ طلارز نے اٹھ کر جوتے آگ کے پاس رکھ دیئے پھر اس نے لکڑیوں کی راکھ جھاڑی اور کونے سے اٹھا کر اور لکڑیاں آتش دان میں ڈالنے لگا۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے لیئے باہر چلا گیا۔ مالک کو باہر جاتا دیکھ کر کتا دم ہلاتا ہوا دوڑا ۔ "یہاں بیٹھ، باہر کہاں مرے گا ؟ میں ابھی آتا ہوں" طلارز نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

جب ملارز آیا تو کوتی بھی تھوڑی دیر کے لیۓ باہر چلی گئی۔ اندھیرے میں وہ بالکل اکیلی تھی۔ اوپر آسمان میں ٹمٹماتے ستاروں سے ٹپکتی اوس سے بوجھل ہوا میں پھولوں کی بھینی خوش بو محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس کے جوتے گھانس پر چلنے سے بھیگ گئے۔

یکایک کوتی نے محسوس کیا کہ وہ لوٹ جانا چاہتی ہے۔ ملارز سے کلیفورڈ سے، رگبی سے، سب سے ۔ ۔ ۔ دور۔ اسے اپنی حالت سے چڑ ہونے لگی۔

اسی وقت ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اسے چھوتا ہوا گزرا، اسے یاد آیا کہ وہ اپنا کوٹ تو جھونپڑی میں ہی بھول آئی ہے۔

وہ جھونپڑی کی طرف لوٹ گئی۔ آتش دان میں رکھی ہوئی لکڑیوں نے آگ پکڑ لی تھی، سارا کمرہ شعلوں کی ہلکی زرد روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"چلو، افسوس کرنے سے کیا فائدہ،" اس نے ملارز کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا، "جو گذر گیا، اسے بھول جانا ہی بہتر ہے۔"

"ہاں" ملارز کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

وہ ملارز سے لپٹ گئی۔ آتش دان کی لپٹیں تیز ہو گئی تھیں۔ کوتی کے کاندھے پر رکھا ہوا ملارز کا ہاتھ آہستہ آہستہ اس کی باہوں کو بھینچتا ہوا نیچے کی طرف پھسلنے لگا۔

"بھول جاؤ اب تک تم نے جو کچھ برداشت کیا ہے! اسے بھول جاؤ" کوتی ملارز کی کنپٹیوں کو ہونٹوں سے سہلاتی ہوئی بڑبڑائی۔

ملارز نے اسے پکڑ لیا۔ شعلوں کی گرمی سے دونوں کا خون اندر اور باہر سے تپنا شروع ہو گیا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ساری عورتیں تمہیں سچ مچ چاہتی رہی ہوں اور غلط فہمیوں کی دیواروں نے تمہیں ان سے الگ رکھا ہو!" کوتی نے اس کی قمیض کے بٹن سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کبھی کبھی تو مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہی ہوا ہو اور سارے واقعات کے لیے میں ہی اکیلا ذمہ دار . . . " اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

کوتی نے محسوس کیا کہ ملارز کی جھنجلاہٹ لوٹ رہی ہے ۔ وہ یہ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی ۔ اس کے ہاتھ ملارز کے کندھوں پر کسنے لگے ۔

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ سب بیکار ہے، بالکل بیکار!" ملارز دوبارہ بولا۔ اس کی آواز میں ایک خوفناک کھوکھلا پن تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کوتی کے کندھوں کو سہلاتا ہوا اس کا ہاتھ اب ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

پھر وہ چپ ہو گیا۔ کوتی دونوں کے درمیان بجھتے ہوئے لمسوں کی ٹھنڈک محسوس کرنے لگی تھی۔ جذبات آہستہ آہستہ سرد پڑ رہے تھے ۔ اس نے محسوس کیا کہ تھوڑی دیر بعد لہو کی ٹمٹماتی ہوئی یہ لپٹیں ٹھنڈی پڑ جائیں گی اور وہ کسی پرانے غار کے اندھیرے میں رینگتے ہوئے سسکنے کے لیے اکیلی رہ جائے گی ۔

"لیکن تم نے کبھی کسی عورت پر بھروسہ ہی نہیں کیا" کوتی حیرت زدہ لہجے میں بولی ۔ وہ کنارے کی طرف بڑھتی ہوئی کشتی کو کھینچ کر منجدھار میں لے آنا چاہتی تھی۔

"مجھے معلوم نہیں میں نے کبھی نہیں سمجھا کہ ایک عورت پر بھروسہ کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔"

وہ ابھی تک اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی ۔ لیکن تب اور اب! تھوڑی دیر پہلے کا جوش اب کسی مری ہوئی مچھلی کی طرح دونوں کو ایک دوسرے سے الگ دھکیل رہا تھا۔ لیکن کوتی کسی پھسلتی ہوئی چیز کو مٹھیوں میں پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم کسی پر بھروسہ بھی کرتے ہو یا نہیں؟"

"میں نہیں جانتا" ملارز نے اسی طرح کہا۔

دونوں چپ رہے ۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم ضرورت سے کچھ زیادہ مطلبی نہیں ہو؟" کوآنی نے سوچا، شاید الجھی ہوئی گتھی طنز سے سلجھ جائے۔

"ہاں، میں مطلبی ہوں بہت زیادہ مطلبی۔ پھر! تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ مجھ سے نفرت کرتی ہو؟"

کوآنی چپ رہی۔

"اچھا تم بستر پر سو جاؤ۔ میں یہیں آتش دان کے پاس پڑا رہوں گا۔"

کوآنی نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی بھنویں تنی ہوئی تھیں۔

"جاتی کیوں نہیں؟ یون، ایک بج گیا ہے۔"

"نہیں جاؤں گی۔"

وہ اٹھا اور کرسی پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

"پھر میں باہر چلا جاتا ہوں۔"

اس نے جوتوں کے تسمے باندھنے شروع کر دیئے۔ کوآنی اسے گھورتی رہی۔

"رک، رک جاؤ نا" وہ منت کرتی ہوئی بولی "ہم دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔"

وہ اسی طرح جھکا ہوا بوٹ کے تسمے کستا رہا۔ آتش دان میں ایک جلی ہوئی لکڑی چٹک کر گری کمرہ ایک لمحہ بھر کے لیے اُجالا سا ہو گیا، لیکن پھر چنگاریاں گم ہو گئیں اور اسی وقت نہ جانے کیا ہوا کہ طلآرز تسموں کو ویسا ہی چھوڑ کر کرسی پر سے اٹھا اور آ کر کوآنی پر جھک گیا۔ اس نے کوآنی کو بانہوں میں کس لیا۔ کوآنی نے محسوس کیا کہ اگر وہ اسی طرح کستا گیا تو اس کی سانس گھٹ جائے گی۔ تھوڑی دیر تک دونوں ایک دوسرے سے چمٹے ـــــ کوآنی طلآرز کی سخت بانہوں میں جکڑی ہوئی ذرا سی اوپر کو اٹھی ہوئی کھڑے رہے۔

پھر طلآرز کے ہاتھ کوآنی کے جسم کے ڈھلانوں کو ٹٹولتے ہوئے، گھاٹیوں میں

نیچے اترنے لگے۔ نیچے ... نیچے ... نیچے ...

صبح جب کوتی، رنگینی ہال کے دروازے پر پہنچی تو کوئلے کی کانوں میں ساتھ بجے والا سائرن بج رہا تھا۔

۱۷

ہلڈا نے اپنے خط میں لکھا تھا، "ڈیڈی اس ہفتے لندن جا رہے ہیں۔ میں سترہ جون کو رنگینی پہنچوں گی۔ جب میں آؤں تو تیار رہنا۔ میں رنگینی جیسی بور جگہ پر سامان باندھنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتی۔ اور دیکھو، اگر کلیفورڈ کچھ کہے سُنے تو پرواہ مت کرنا۔ میں تمہیں لینے آ رہی ہوں، اور لے کر ہی جاؤں گی۔"

کلیفورڈ نے، جیسے کہ اُمید تھی، کوتی کے جانے پر احتجاج کیا۔ دراصل وہ اس کی غیر حاضری میں اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگتا تھا۔ جب وہ رنگینی میں ہوتی تو نہ جانے کیوں کلیفورڈ کی ہمیشہ ڈھارس بندھی رہتی۔

آج کل کلیفورڈ ویسے بھی اپنی کوئلہ کی کانوں کے پیچھے پاگل تھا۔ وہ ہر وقت کم دام پر زیادہ سے زیادہ کوئلہ نکالنے کی اسکیمیں سوچنے میں لگا رہتا۔ اس کا واحد شوق، رات دن کانوں کے چارٹ بنانا، نئی نئی اسکیمیں اور مزدوروں کے مسائل کا مطالعہ کرنا تھا۔ اور یہ سب ایک دیوانگی کی حد تک تھا۔ کلیفورڈ اس سے بخوبی واقف تھا، لیکن اپنی قابلِ رحم حالت کو فراموش کرنے کے لیے اس کے پاس اس پاگل پن کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

کئی بار وہ کوتی کو بھی اپنی اسکیموں کے بارے میں بتاتا اور وہ چپ چاپ سنتی رہتی۔ کلیفورڈ ان اسکیموں کے ایک ایک نکتے کو واضح کرنے کے لیے گھنٹوں

تقریر کرتا۔ جب وہ چپ ہو جاتا تو کونی کو محسوس ہوتا کہ گویا کسی نے کوئی لاؤڈ اسپیکر بند کر دیا ہے۔

جب وہ فرصت میں ہوتا تو مسز بولٹن کے ساتھ تاش کھیلتا۔ گزشتہ چند مہینوں سے یہ تاش کے کھیل، جوا بن گئے تھے۔ اس جوے سے کلیفورڈ کو ہار جیت کی خوشی اور تسکین ملتی۔ کبھی کبھی بار تو دونوں رات کے ایک ایک بجے تک تاش کھیلتے رہتے۔

جب کونی نے کلیفورڈ کو بتایا کہ ہلڈا اسے لینے کے لیے سترہ جون کو آ رہی ہے اور وہ دونوں اس شام چلی جائیں گی تو اس نے کہا، "صبح کو! تو واپس کب لوٹو گی؟"

"تقریباً بیس جولائی تک مہینہ بھر سمجھ لو۔"

"اچھا! بیس جولائی؟" اس نے بے دلی سے کونی کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں بچپن کی شرارت اور بڑھاپے کی سنجیدگی کا عجیب امتزاج تھا۔ "کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہے؟" کلیفورڈ نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ تم جو جا... میرا مطلب ہے، واپس تو لوٹ آؤ گی نا؟"

"کیوں نہیں، تمہیں کوئی شک ہے؟" کونی نے جلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ کلیفورڈ نے دوبارہ کونی کو دیکھا۔ پہلے کی طرح بے اعتمادی اور بدگمانی کے ملے جلے انداز میں۔

ویسے اس کی ایک دلی تمنا تھی کہ کونی چلی جائے، کسی اجنبی مگر مہذب آدمی کا تعلق حاصل کرلے اور کلیفورڈ خاندان کا سلسلہ چلتے رہنے کے لیے، حاملہ ہونے کے بعد ریگبی واپس لوٹ آئے۔

لیکن پھر بھی وہ خوف زدہ تھا۔ کوئی غیر یقینی کیفیت اسے کونی کو جانے کی اجازت دینے سے روک رہی تھی۔

کونی کو بھی اندیشہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کلیفورڈ کو چھوڑ دینے کا موقع آ گیا ہے۔

موقع جس کا وہ اتنے دنوں سے انتظار کر رہی تھی ۔

جنگل میں اس نے ملارڈ کو اپنا پلان بتایا۔ " اور پھر لوٹنے کے بعد میں کلیفورڈ کو صاف صاف بتا دوں گی۔" وہ گھٹنوں کے اطراف انگلیاں لپیٹ کر درخت کے تنے کے نیچے بیٹھی بیٹھی بولی' " کہ اب میرا اور اس کا الگ ہو جانا ہی بہتر ہے ۔ پھر الگ ہو جانے کے بعد ہم دونوں کہیں بھی مل سکتے ہیں ۔ ساری دنیا خالی پڑی ہے ۔"

" تم کبھی نو آبادیات میں تو نہیں گئیں ؟ " ملارڈ نے پوچھا ۔

" نہیں ' اور تم ؟ " کونی نے گھاس کا ایک تنکا توڑ کر دانتوں میں دباتے ہوئے کہا ۔

" میں ہندوستان ' جنوبی افریقہ اور مصر تک گیا ہوں ۔"

" اس بار جنوبی افریقہ چلیں گے ۔"

" چلو ' ایسا ہی سہی ! "

" کیوں ' تم تو کچھ ایسے کہہ رہے ہو جیسے تمہاری مرضی نہ ہو ۔"

" میں پرواہ نہیں کرتا ۔ پتہ نہیں کیوں ؟ "

" کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو ؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہم اس طرح چوری چھپے ملنے کی مصیبت سے بچ جائیں گے ۔ مجھے چھ سو پونڈ سالانہ کی آمدنی ورثہ میں ہے ہی ' باقی بھی ' کچھ نہ کچھ اور کمانے کا انتظام ہو ہی جائے گا ۔"

" اور کام کیا کرو گے ؟ چھ سو پونڈ کافی ہیں ۔"

" ہاں ' بڑا مزہ آئے گا ۔"

" لیکن طلاق ! اگر ہم دونوں نے طلاق کی قانونی کارروائی پہلے ہی مکمل کر لی تو بڑا جھنجھٹ ہوگا ۔"

" ہاں ' خیر وہ سب کر ہی لیں گے ۔"

دوسرے دن جب کونی اور ملارڈ ملے تو آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور

بارش کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔

"تمہیں بچے پسند ہیں؟" کوتی نے اس سے پوچھا۔

وہ کچھ اداس ہوگیا۔ پھر اسی طرح بجھا بجھا زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا،

"نہیں۔"

"ایسا مت سوچو۔ پلیز، دیکھو، شاید تھوڑے دنوں میں میرے ہی ایک بچہ ہو۔" کوتی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں خوشی ہوتی ہے تو میں بھی خوش ہوں گا، ورنہ ان ساری باتوں کا کوئی مطلب تو مجھے معلوم نہیں ہوتا۔"

"کیوں، اگر ان سب کا کوئی مطلب نہیں ہے تو پھر تم مجھے چاہتے بھی نہیں؟ پھر میرے اور تمہارے درمیان کسی بھی تعلق کا کیا مطلب ہے؟"

وہ چپ رہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح سنجیدگی سے خلاء میں دیکھتا رہا۔

باہر بارش ہونی شروع ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی بارش کی بوچھار دہلیز کو پار کر کے کمرے کے دروازے کے اندر فرش کو بھی بھگو جاتی۔

اسی وقت کوتی اٹھی۔ اس نے بلارڈ کی قمیض کے بٹن کھولے، بنیان اٹھائی اور اپنی انگلیاں اس کے جسم کو چومتی ہوئی اپنے گال اس کے رانوں کے اندر کی طرف ٹکا کر ہاتھوں سے اس کے کاندھوں کو سہلاتی ہوئی بیٹھ گئی۔

باہر بارش تیز ہوگئی تھی۔ کوتی دیر تک یونہی بیٹھی رہی۔ کوتی کے لمس سے بلارڈ ایک آدھ بار تھوڑا سا گرم ضرور ہوا تھا لیکن پھر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

تب ہی بجلی زور سے کڑکی اور کوتی کانپ گئی۔

لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی اور اٹھ کر کھڑی ہونے کے بعد دروازہ کھول کر

باہر دیکھنے لگی۔ بارش کی بوندیں تیز ہو گئی تھیں۔ اچانک اس کے سارے جسم میں بارش کی موٹی موٹی بوندوں کو چھو لینے کی شدید خواہش جاگ اٹھی۔ اس کا رواں رواں آسمان سے گرتی ہوئی پھواروں کو چھو لینے کے لیئے بے قرار ہو اٹھا۔ اس نے اپنے گون کے پچھلے بٹن کھول لئے، موزے اتارے اور انڈرویر نکال کر فوراً ننگی ہو گئی۔

بلارز سانس تھامے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

ہلکی روشنی میں کوئی کا جسم ہاتھی دانت کی طرح چمک رہا تھا۔ آگے کو اٹھے ہوئے اس کے نوکیلے پستان، ٹھنڈی ہواؤں کی وجہ سے جسم میں اٹھنے والی پھریری سے رہ رہ کر کانپ جاتے۔ وہ دروازہ پار کرنے سے پہلے ایک بار آہستہ سے ہنسی۔کسی بچے کا معصوم قہقہہ ـــــ اور باہر کھلے میں آ گئی۔ بوندیں تیزی سے پڑ رہی تھیں۔ کوئی نے پہلے ایک بار آنکھوں کو بارش کی بوندوں سے بچانے کے لیئے بھنوؤں پر ہاتھ رکھا۔ لیکن بھیگتے ہی اسے آنکھوں کو پانی سے بچانے کی ضرورت نہ رہ گئی۔ پانی کی دھاریں اس کے جسم کے خطوط پر سے پھسلتی ہوئی زمین پر بہنے لگیں۔ پھر اس نے اپنی چھاتیوں کو تھاما، آسمان کی طرف دیکھا اور چھاتیوں کی گھنڈیوں کو اوپر اٹھا کر کسی ماہر رقاصہ کی طرح، سارے آداب سے بے خبر، مستی میں بھری لیکن فطری انداز میں ہولے ہولے ناچنے لگی۔جب وہ آگے جھکتی تو اس کے کولہے اور چوڑے ہو جاتے۔ جب وہ پیچھے کو جھکتی تو اس کے پیٹ کی شکنیں صاف ہو جاتیں، اور جب وہ ادھر ادھر مڑتی تو اس کے جسم کا لچا ہری ٹہنیوں کی طرح یوں ہی مڑ کر سیدھی ہو جاتی اور سیدھی ہو کر پھر مڑ جاتی۔

اس وقت تک بلارز کا سارا چڑچڑاپن دور ہو گیا تھا۔ کوئی کے بھولے پن نے

اس کے دل میں بھی فوراً چُہل جگا دی تھی۔ وہ آہستہ سے ہنسا اور کپڑے اتارنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد جب اس نے دہلیز کے باہر پاؤں رکھا تو کوتی بھی اس کے ساتھ ساتھ
بھاگ۔ اب تک کوتی کے سارے بال بھیگ کر چہرے کے دونوں طرف جم گئے تھے۔
ملارز کو آمادہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہی پرانی چمک اُبھری۔ وہ بس جلنے کے لئے
بے قرار تھی۔ لیکن ایسے، اتنی جلدی نہیں۔ اس نے سوچا اور ملارز کو نزدیک پا کر
اسے رِجھانے کے لئے بھاگ چلی۔

لیکن جلدی ہی اس کی سانس پھول گئی۔ اور ملارز نے اسے پکڑ لیا۔ دھیرے دھیرے
دونوں کے سلگتے ہوئے جسموں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی اور جذبات سے بے قابو ہو کر ہانپتے
ہوئے دونوں، وہیں، بارش میں بھیگی زمین پر گر پڑے۔ گُھتی ہوئی باہوں اور تپتے
ہوئے جسموں پر بارش کی بوندیں پڑتی رہیں۔ کوتی نے محسوس کیا کہ ساری تکالیف ختم
ہو گئی اور گھنے جنگلوں سے بھری ہوئی سنسان دھرتی پر جسموں کا اجنبی پن ختم کرتے
ہوئے، صرف وہ دونوں باقی رہ گئے ہیں۔

پھر ملارز اُٹھا اور کوتی کی بانہہ تھام کر بولا، " اندر آجاؤ۔"
وہ تیزی سے جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔ لیکن کوتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر
آگئی۔ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے بھی اس کے نوکیلے پستان ہل رہے تھے۔ تمتماتے
ہوئے گال بارش سے بھیگ جانے کی وجہ دُھل کر ہلکے گلابی ہو گئے تھے۔
ملارز نے ایک پرانی چادر سے اپنا جسم پونچھنے کے بعد کوتی کا جسم پونچھنا شروع کیا۔
جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ آتش دان میں آگ چٹک رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد دونوں کمبل اوڑھ کر آگ کے پاس بیٹھ گئے۔ دونوں کی پیٹھ کمبلوں
سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن جسم کا اگلا حصہ کھلا تھا۔ کوتی کو کپکپی چھوٹنے لگا تو اس نے اپنا کمبل
نکال کر پھینک دیا اور آگ کی طرف پیٹھ اور گردن کو جھکاتی ہوئی بال سکھانے لگی۔

ملارز نے تعریفی نظروں سے کوآن کی طرف دیکھا۔ لو کی ٹمٹماتی روشنی میں اس کے کولہوں کی گلابی لپک نیچے جا کر کچھ بھاری ہو گئی تھی۔

اس کا ہاتھ یکایک ہی کوآن کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے کو چھو کر سہلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس کی انگلیاں رہ رہ کر ان ہی حصوں میں گھومتی رہیں۔

کوآن کے بال اب تک سوکھ چکے تھے۔ کمبل نکال دینے سے کچھ سردی بھی لگنے لگی تھی۔ وہ اٹھی اور آکر ملارز کی گود میں بیٹھ گئی۔ اس کی ایک ران کے دونوں طرف پاؤں ٹکا دینے کے بعد کوآن نے اپنا سر اس کے سینہ پر ٹکا دیا۔ آگ کی سوندھی حرارت نے دونوں کو گھیر لیا۔ اور تھکی ہوئی کوآن اونگھنے لگی۔

تھوڑی دیر دونوں چپ رہے۔ پھر کوآن نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے ملارز کی پیٹھ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے پوچھا، "تمہیں میرا جانا برا تو نہیں معلوم ہو رہا ہے؟"

"نہیں اس میں برا معلوم ہونے کی کیا بات ہے؟"

"لیکن، اگر تم مجھے نہیں بھیجنا چاہتے تو میں رک جاؤں گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ملارز نے جھک کر پاس ہی پڑے ہوئے لکڑی کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر آگ پر ڈال دیا۔ شعلے بھڑکنے لگے۔ کوآن انتظار کر رہی تھی کہ ملارز کچھ کہے۔ لیکن وہ چپ رہا۔

"میں کلیفورڈ سے الگ ہو جانا چاہتی ہوں، اب اور برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے بچہ چاہیے۔ اگر تھوڑے دنوں کے لیے باہر چلی جاؤں گی تو بات سلجھانے میں...۔"

— آسانی رہے گی۔" ملارز نے جملہ پورا کیا، "واپس آکر جھوٹ بولنا آسان ہو جائے گا کلیفورڈ سمجھے گا کہ اس بچے کا باپ وینیس، اٹلی، فرانس یا لندن میں رہنے والا کوئی لارڈ ہے۔ کیوں؟"

— ہاں، لیکن کہیں تم یہ تو نہیں چاہتے کہ کلیفورڈ کو یہ بات بتا دینا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"نہیں، ایسا کچھ نہیں۔"

"کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ہلارز بولا، "لیکن کلیفورڈ تم سے لوٹ آنے کی امید تو کرتا ہوگا۔

"ہاں، اور میں شاید آؤں گی بھی۔"

"تو پھر بچہ رنگیتی میں ہی پیدا ہوگا؟"

"اگر تم مجھے کہیں اور نہیں لے جاؤ گے تو اس کے سوا اور کیا چارہ ہے؟" کونی نے ہلارز کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں کہیں لے جاؤں؟"

"کہیں بھی، رنگیتی سے دور، کہیں بھی لے چلو۔"

"کب؟"

"جب میں لوٹوں گی۔"

"لیکن اگر جانا ہے تو تم لوٹتی ہی کیوں ہو؟"

"نہیں، لوٹوں گی تو میں ضرور۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔"

"پھر؟"

"پھر میں کلیفورڈ کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"سچ؟"

کونی چپ رہی۔ اس نے محسوس کیا کہ ہلارز کو یقین نہیں ہو رہا ہے کہ اس میں کلفورڈ سے صاف صاف بات کرنے کی ہمت بھی آ سکتی ہے۔

"کیوں، تمہیں مجھ پہ یقین نہیں آتا کیا؟" کونی نے پوچھا۔

لیکن ہلارز نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا "میں اپنے وکیل سے طلاق کے بارے میں ملا تھا۔"

"اچھا، اس نے کیا کہا؟"

"اس نے کہا کہ مجھے طلاق کی درخواست پہلے ہی دینا چاہیئے تھا مگر اب بھی کوئی ایسا خاص مشکل نہیں ہے۔ میں فوج میں تھا نا، اس لیئے اس کی وجہ سے سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

پھر کونی کو خیال آیا کہ دیر ہو رہی ہے۔" جانے سے پہلے ایک بار تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا، "شاید جمعرات کی رات کو آؤں۔"

"لیکن کیسے؟ اس دن تو تمہاری بہن یہاں ہوگی؟"

"ہاں، ہوگی تو سہی، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے! میں ویسے بھی سوچتی ہوں کہ اس سے اس بارے میں سب کچھ بتا دینا ہی ٹھیک رہے گا۔ وہ کافی سمجھدار ہے، اپنے آپ سمجھ جائے گی۔"

"تو پھر کیا پروگرام رہا؟"

"پروگرام یہ رہا کہ ہم دونوں جمعرات کی شام کو یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ سمجھو چائے پینے کے کچھ دیر بعد۔ پھر اندھیرا ہونے پر ہلڈا مجھے یہاں چھوڑ جائے گی، اور علی الصبح دوبارہ مجھے لینے آئے گی۔"

"اور کسی نے دیکھ لیا تو؟"

"کون دیکھے گا؟ میں کالا چشمہ پہنے رہوں گی اور نقاب ڈال لوں گی۔"

پھر جب وہ دوبارہ اُٹھنے لگی تو ملانڈر نے کہا، "ذرا ٹھہر جاؤ میں دیکھ لوں، کوئی ہے تو نہیں۔"

اس نے اُٹھ کر جھونپڑی کا دروازہ کھولا۔ برآمدے میں لیٹا ہوا کتا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بارش بند ہو گئی تھی۔ دھیرے دھیرے اُبھرتی ہوئی شام بھی کچھ بھیگی بھیگی نظر آ رہی تھی،

اس نے مڑ کر جھونپڑی میں دیکھا، کوآنی کپڑے پہن کر تیار ہو گئی تھی۔

ابھی وہ دونوں جنگل کے آدھے راستے تک ہی پہنچے تھے کہ مسٹر بولٹن آتی دکھائی دی۔ مسٹر بولٹن نے کوآنی کو دیکھتے ہی کہا، "ارے! آپ کہاں رہ گئی تھیں؟ ہم سب لوگ تو اس قدر گھبرا گئے تھے کہ آپ پوچھئے مت۔ مسٹر کلیفورڈ نے بارش تھمتے ہی مجھے آپ کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا۔"

"آپ لوگ خواہ مخواہ پریشان ہوئے۔ میں بالکل محفوظ تھی۔" کوآنی نے مسٹر بولٹن کی سوالیہ نظر سے بچنے کے لئے حویلی کے کنگوروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مسٹر بولٹن نے ملارز کی طرف دیکھا۔ اس کے ڈھلے ڈھلے چہرے پر پیار کا نکھار تھا۔ مسٹر بولٹن کو اپنی طرف دیکھتا پاکر اس نے رکتے ہوئے کہا، "آداب مسٹر بولٹن! میرا خیال ہے، میں اب چلوں۔ یہ آپ کے ساتھ چلی جائیں گی!"

اس نے سلوٹ کیا اور لوٹ گیا۔

۱۸

کوآنی کے گھر پہنچتے ہی کلیفورڈ اس پر برس پڑا۔ وہ چائے سے پہلے آگئی تھی۔ جب بارش کے آثار نظر آنے لگے اور اسے معلوم ہوا کہ وہ جنگل میں گئی ہے تو تھوڑی دیر تک تو وہ چپ چاپ انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب بارش شروع ہو گئی تو اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ جوں جوں بجلی گرجتی یا ہوا چلتی، وہ گھبراہٹ کے مارے کرسی پر کروٹیں بدلنے لگتا۔

بارش تھمتے ہی اس نے کوآنی کو ڈھونڈنے کے لیے دونوں نوکروں کو بھیجنے کا خیال کیا۔ لیکن جب اس نے دونوں نوکروں کو بلانے کے لیے مسٹر بولٹن سے کہا تو،

مسنر بولٹن اس سے اختلاف کرتے ہوئے بولی "آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں؟ نوکروں کو بھیجئے گا تو سو طرح کی افواہیں اڑیں گی، اگر آپ واقعی یہ محسوس کرتے ہیں کہ میڈم کسی مشکل میں پھنس گئی ہیں تو میں خود دیکھ آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جنگل میں چلی گئی تھی۔ کونی سے جنگل میں ملاقات ہونے پر جب مسنر بولٹن نے اس کی پیشانی پر شکن دیکھی تو اپنا بچاؤ کرتی ہوئی بولی "آپ کو میرے جنگل میں آنے کا برا نہیں ماننا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ سر کلیفورڈ آپ کی عدم موجودگی سے بہت گھبرا گئے تھے۔ پھر جب بارش ہو جانے کے بعد بھی آپ نہیں لوٹیں تو انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو گئی ہو۔ وہ نوکروں کو بھیجنے کی سوچ رہے تھے لیکن خدا کا شکر سمجھئے کہ مجھے پتہ لگ گیا اور میں خود ہی چلی آئی ... ورنہ ...؟"

"لیکن اتنی واویلا مچانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"ارے اوہ، آپ مردوں کو نہیں سمجھتیں انہیں ذرا سی بات کا جھگڑا بنانے میں بڑا مزا آتا ہے لیکن آپ خواہ مخواہ کیوں گھبرا رہی ہیں ... وہ آپ کو دیکھتے ہی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

کونی نے یکا یک مسنر بولٹن کی طرف دیکھا۔ لفظ 'گھبرانا' کا استعمال سن کر اسے شک ہوا کہ کہیں وہ سچ مچ اس کا راز نہ جانتی ہو۔ اب تک وہ دونوں پارک تک پہنچ چکی تھیں۔

"لیکن اس طرح کسی کے پیچھے جاسوس لگا دینا خرافت کی انتہا ہے۔ میں کیا کوئی بچی ہوں؟" اس نے حویلی کی چار دیواری میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

مسنر بولٹن نے چپ رہنا ہی بہتر سمجھا۔ کونی حویلی میں جاتے ہی سیدھے دندناتی ہوئی کلیفورڈ کے کمرے میں چلی گئی۔

"میں کہتی ہوں، اس طرح نوکروں کو میرے پیچھے پیچھے جنگل میں بھیجنے کا کیا مطلب ہے؟"

"مطلب؟" کلیفورڈ نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا، "مطلب یہ ہے کہ تم اب تک کہاں تھیں؟ دھواں دھار بارش میں گھنٹوں تم جنگل میں غائب رہیں۔ پھر بارش رک گئی

کے بعد بھی تمہارا کوئی پتہ نہیں اور اب تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں نے نوکروں کو کیوں بھیج دیا؟ جانتی ہو تم کس وقت گھر سے باہر نکلی تھیں اور اس وقت کیا بجا ہے؟ تم رہ کہاں گئی تھیں؟"

"اور اگر میں نہ بتاؤں تو؟" کونی نے ہیٹ اتار کر بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے سر جھٹک کر کہا۔

لیکن پھر اس کی نظر کلیفورڈ پر پڑی۔ وہ کرسی میں بیٹھا بیٹھا بیچارگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کلیفورڈ کو اس طرح اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر کونی کو اس پر رحم آگیا اور وہ اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولی "تم تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرانے لگتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ میں کہاں ہو سکتی ہوں؟ میں طوفان اور بارش کے دوران سارا وقت جھونپڑی میں بیٹھی رہی۔"

کلیفورڈ نے کونی کی طرف ایسے دیکھا جیسے اسے کونی پر بھروسہ نہ رہا ہو۔

"اور تمہارے یہ بال؟" اس نے پوچھا۔

"بالوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہو، تو سنو، میں بارش میں ننگی ہو کر نہا رہی تھی۔"

"کیا؟" کلیفورڈ بھونچکا رہ گیا۔

"ہاں، بارش کو دیکھ کر دل قابو میں نہ رہ سکا۔"

"اور کوئی دیکھ لیتا تو؟" کلیفورڈ نے اسی طرح گھورتے ہوئے کہا۔

"کون دیکھ لیتا؟"

"کیوں، کوئی بھی آسکتا تھا، فرض کرو ملارز ہی آجاتا، تب؟"

"ملارز میرے نہاتے وقت نہیں آیا۔ اس وقت تیز بارش ہو رہی تھی اور میں اکیلی تھی وہ لوٹتے وقت مجھے ملا تھا۔"

کلیفورڈ کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح کوتی کو گھورتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ بارش میں نہانے سے کوتی کا حسن نکھر آیا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی ہے۔

اس رات کلیفورڈ سو نہ سکا اور رات گئے دیر تک تاش کھیلتا رہا۔

ہلڈا پروگرام کے مطابق جمعرات کو آ گئی۔ وہ دو سیٹ والی کار میں آئی تھی۔ اس کا سوٹ کیس پیچھے بندھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں وہ اسی طرح دبلی پتلی اور خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ کوتی کا سارا سامان بھی ایک سوٹ کیس میں ہی آ گیا۔ وہ پہلے ہی اپنے سامان کا ایک صندوق ٹرین کے ذریعہ بھیج چکی تھی۔

جب دونوں بہنیں لنچ کے بعد اکیلی ہوئیں تو کوتی نے موقع پا کر ہلڈا سے کہا "ہلڈا" میں آج کی رات یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب یہاں نہیں، یہیں کہیں قریب ہی۔"

ہلڈا نے سوالیہ نظروں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

"یہاں کہاں؟"

"کیوں؟ تم نے ابھی تک محسوس نہیں کیا کہ میرا کوئی عاشق بھی ہو سکتا ہے؟"

"کچھ محسوس تو ہو رہا تھا۔"

"وہ یہیں قریب ہی رہتا ہے اور میں آخری رات اس کے ساتھ ہی گزارنا چاہتی ہوں۔"

ہلڈا کچھ سوچتی ہوئی چپ رہی پھر اس نے اوپر دیکھا "مجھے بتاؤ گی نہیں، کون ہے؟"

"ہمارا رکھوالا" کوتی نے کسی شریر بچے کی طرح شرماتے ہوئے کہا۔

ہلڈا کو کچھ غصہ آیا۔ اسے یقین نہ تھا کہ کوتی اپنے لیے اتنے ادنیٰ درجے کا آدمی پسند کرے گی۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہ کلیفورڈ سے نفرت کرتی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ کوتی نے اپنے لیے کم سے کم کسی اعلیٰ طبقے کے کسی فرد کو منتخب کیا ہوگا۔"

"تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟" اس نے پوچھا "کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔"

"نہیں" کوتی نے ڈٹ کر جواب دیا "وہ عام مردوں کی طرح نہیں ہے اور

"پھر ہم ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں۔"

"یہ سارا عشق بس تھوڑی دیر میں ہی ہوا جائے گا" ہلڈا کے لہجے میں صاف نفرت تھی۔ "اور پھر تمہیں اپنے لئے کوئی دوسرا مرد ڈھونڈنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

"تمہارا خیال ہے، میرا... میں اس کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

ہلڈا نے محسوس کیا 'حد ہو گئی ہے' اس نے زور سے کہا "کوتی! کیا بک رہی ہو؟"

"بک نہیں رہی ہوں۔ سچ کہہ رہی ہوں۔"

"اس سے بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے" ہلڈا نے سوچا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس آدمی کے پیچھے پاگل ہو گئی ہے، پھر اس نے کوتی سے پوچھا۔ "کلیفورڈ کو شک نہیں ہوا؟"

"نہیں کسی کو رتی بھر بھی معلوم نہیں۔"

"آج رات والی بات سے کہیں جھنجھٹ نہ کھڑی ہو جائے۔ خیر وہ رہتا کہاں ہے؟"

"جنگل کے دوسرے سرے پر ایک جھونپڑی میں۔"

"کنوارا ہے؟"

"نہیں، اس کی بیوی اسے چھوڑ گئی ہے۔"

"کیا عمر ہے اس کی؟"

"میں نے کبھی عمر نہیں پوچھی، لیکن مجھ سے تو بڑا ہی ہے۔"

ہلڈا کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن اس نے صرف اتنا ہی کہا، "اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس قسم کی بیہودگی کبھی نہ کرتی۔"

"خیر، آج رات تو میں وہاں رہوں گی ہی۔ میں نے وعدہ کیا ہے" کوتی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

جُدا ہوتے وقت کلیفورڈ نے کہا، "ہلڈا، کوتی ہے تو تمہاری بہن، لیکن بالکل بچی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"آپ گھبرائیے نہیں۔" ہلڈا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شام سہانی تھی۔ ہوٹل میں سامان رکھنے کے بعد ہلڈا اور کونی نے کار کو واپس رگبی ہال کی طرف چلانا شروع کیا۔ رات میں نو بجے تک دونوں جنگل کے سرے پر آ پہنچے۔ کونی نے کالا چشمہ اور بڑا ہیٹ پہن رکھا تھا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ وہ راستہ بھر چپ چاپ بیٹھی رہی۔ یہ طے پایا تھا کہ جنگل میں پرلی طرف سڑک سے نالے کو جانے والے پل پر ملارز کونی کا انتظار کرے گا۔ نالے سے تھوڑی دور پہلے، موڑنے کے بعد ہلڈا نے لائٹ بجھادی۔

"میرا خیال ہے کہ پل یہیں کہیں قریب ہی ہے۔" اس نے کار کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے کونی سے پوچھا۔

کونی خیالوں میں کھوئی بیٹھی تھی۔ سوال سن کر وہ متوجہ ہوئی، "ہاں، جگہ تو یہی تھی، میں دیکھتی ہوں۔" وہ بولی۔

کالا چشمہ اتار کر اس نے سڑک پر اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ پاس کہیں کوئی نہ تھا۔ "سڑک پر تو کوئی نہیں ہے۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیسی ہو!" تب ہی اندھیرے میں ایک درخت کے پیچھے سے کسی مرد کی آواز گونجی۔ کونی سہم گئی لیکن پھر پہچان کر مطمئن ہوتے ہوئے بولی، "ارے تم! مجھے تو ڈرا ہی دیا۔" کہتی ہوئی وہ کار سے نیچے اتر آئی۔

ملارز کا خیال تھا کہ ہلڈا بھی کار سے نیچے اترے گی۔ لیکن ہلڈا ہونٹ بھینچے ہوئے اندر بیٹھی رہی۔ کونی کو ہلڈا کا ملارز کے تعلق سے یہ احساس برتری برا تو لگا لیکن اس نے بدمزگی سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا، "ملارز، یہ میری بہن ہلڈا ہے۔ ہلڈا، یہ ملارز ہے۔ میں نے تمہیں ان کے بارے میں بتایا تھا۔"

ملارز نے اپنا ہیٹ اٹھا کر سلام کیا۔ ہلڈا نے سر جھکا کر جواب دیا۔ لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔

تھوڑی دیر تک تینوں چپ رہے۔ پھر ہلڈا نے پوچھا، "میں کار موڑ لوں؟"

بلارز کو ہلکا سا اچنبھا ہوا۔ لیکن اس نے آداب اور کوتی کا خیال کرتے ہوئے کہا،
"کیوں کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گی ؟"

ہلڈا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کار سے نیچے اترنا نہیں چاہتی تھی۔ شروع سے ہی وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ کوتی اور بلارز کا راستہ الگ ہے۔ کہاں اعلیٰ طبقہ کی مہذب عورت کوتی اور کہاں جنگل کا یہ ادنیٰ رکھوالا! پھر شروع سے ہی امیرانہ ماحول میں رہنے کی وجہ سے اسے نوکروں سے الگ رہنے اور معمولی لوگوں سے نہ ملنے جلنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اس کا طبقہ واری احساس اس تفریق کو قبول نہ کر پا رہا تھا۔

اسی وقت کوتی نے آہستہ سے کھانسا۔ ہلڈا یکایک سنبھل گئی۔ ایک بار یہ احساس ہو جانے کے بعد کہ جواب دیئے بغیر کام نہیں چلے گا اس نے کچھ نرم لہجے میں کہا، "چلنے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے لیکن یہ کار؟"

"تو پھر چلو نا!" کوتی بولی۔

آپ کار کی فکر نہ کیجئے۔ لوگ آخر سڑکوں کے کنارے موٹریں کھڑا کرتے ہی ہیں!"
بلارز نے فوراً ہی کہا۔

ہلڈا چپ رہی۔ شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر پیچھے مڑ کر اندھیرے میں سڑک پر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی، "اچھی بات ہے، لیکن گاڑی کو ایک طرف کھڑا کر دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔"

"یہاں جھاڑیوں کی طرف کھڑا کر دیجئے۔" بلارز نے سڑک سے پرے ذرا نیچے ہٹ کر پھیلے ہوئے کھیتوں کی باڑھ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

گاڑی کو ٹھیک سے ٹھہرا کر، تالا لگا کر اور ہینڈل گھما کر تالے کی جانچ کرنے کے بعد ہلڈا، بلارز اور کوتی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ رات اس وقت تک خاصی بیت چکی تھی۔ اندھیرے میں آسمان پر پہاڑیوں کے خطوط کسی نیلے کاغذ پر کھینچی ہوئی ٹیڑھی میڑھی

تصویریں سی معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے کوئی اُلّو تیزی سے چیخ پڑتا۔
ہوا میں جنگل کی تازہ خوشبو تھی ۔۔۔ بھینی اور اُداس۔

بلاّرز نے آگے آگے چلنا شروع کیا، اس کے پیچھے کوئی اور ہلڈا سب سے آخر میں تھی۔ کبھی کوئی جگنو دربھر پھڑاتا ہوا گزر جاتا یا پاؤں کی ٹھوکر کھا کر شور مچاتا ہوا کوئی پتھر نیچے گرنے لگتا تو کوئی کا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ بلاّرز کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ عادت ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی دِقّت نہیں تھی لیکن جہاں کہیں خراب راستہ آجاتا تو وہ ٹارچ سے روشنی کر دیتا تھا۔

تینوں چپ تھے۔ کہنے کے لیے تھا ہی کیا؟

بلاّرز نے دروازہ کھولا، کمرہ باہر کی نسبت گرم تھا۔ آتش دان میں آگ اور میز پر ایک موم بتی جل رہی تھی۔ ہلڈا نے آنکھیں ملیں، بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور بلاّرز کی طرف دیکھا۔

لمبا اور چھریرا بلاّرز آتش دان کے پاس رکھی ہوئی ایک میز کو کھسکا رہا تھا۔ اس کا ایک حصہ شعلوں کی دھندلی روشنی میں اور دوسرا لیمپ کی زرد چھاؤں میں تھا۔ شکل وصورت سے تو برا نہیں ہے، ہلڈا نے اپنے آپ سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ، ہلڈا!" کوئی نے کہا۔

"جی ہاں، بیٹھیے نا!" بلاّرز نے بھی سنبھلتے ہوئے کہا۔ "پہلے مجھے کہنا چاہیے تھا!" اس نے سوچا اور اپنے آپ ہی کچھ شرمندہ ہوگیا۔

"آپ کیا پئیں گی، چائے، بیئر یا اور کچھ؟" بلاّرز نے پوچھا۔

"بیئر ٹھیک رہے گی" کوئی بولی۔

"ہاں" میرے لیے بھی بیئر ہی چل جائے گی۔" ہلڈا نے کہا۔

بلاّرز اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھوں میں تین گلاس

اور ایک نیلا جگ تھا۔

"آپ لوگ ابھی تک بیٹھے نہیں؟" اس نے دونوں بہنوں کو کھڑا پاکر پوچھا۔

"ہاں" کہتے ہوئے کوتی کونے میں رکھی ہوئی کرسی کو آگے کھسکا کر بیٹھ گئی۔

ہلڈا نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دوسری کرسی کھڑکی کے پاس پڑی تھی۔ وہ کرسی کی طرف بڑھی۔ ہلارڈ میز ٹھیک کر رہا تھا۔ اور کوتی کچھ سوچ رہی تھی۔ ہلڈا اسے کھسکا کر کوتی کے پاس لے آئی۔ وہ بیٹھنے والی ہی تھی کہ کوتی کے منہ سے نکل گیا، "یہ تو ان کی کرسی ہے۔"

ہلڈا چونک گئی۔ وہ پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کوتی کی طرف دیکھا۔ کوتی کی نظریں نیچی تھیں۔ شاید وہ اس طرح گستاخی کر بیٹھنے پر پچھتا رہی تھی۔

ہلارڈ گلاسوں میں بیئر ڈالتا ڈالتا مڑا۔ "آپ بیٹھیے" اس نے صورتِ حال کو سنبھالنے کے لئے کہا، "اور یہ لیجیے ... بیئر ..."

"سگریٹ تو نہیں ہے لیکن اگر آپ کے پاس ہو تو شوق سے پیجیے۔" ہلارڈ دوسرا گلاس کو بھرنے کے بعد تیسرے گلاس میں بیئر ڈالتا ہوا بولا، "البتہ کھانے کے لئے اندر کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

"کیا؟" ہلڈا جھونپڑی میں آنے کے بعد پہلی بار بولی۔

"گوشت، پنیر اور کچھ نمکین۔"

"ٹھیک ہے۔" ہلڈا کی بجائے کوتی نے جواب دیا۔

وہ دوبارہ اندر چلا گیا۔ دونوں بہنیں چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ دونوں کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ کیا بات چیت کی جائے۔

اتنے میں ہلارڈ لوٹ آیا۔ بغیر کچھ بولے، ہلڈا پنیر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دھیرے دھیرے چباتے ہوئے بیئر کے گھونٹ بھرنے لگی۔ تینوں چپ تھے لیکن اتنی دیر تک ہلارڈ

کو اُٹھتے بیٹھتے اور اب کھاتے پیتے دیکھ کر ہلڈا پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ہلارز دراصل اتنا غیر مہذب نہیں ہے، جتنا کہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ساری چال ڈھال میں ایک شائستگی تھی۔

"لیکن کیا یہ خطرہ مول لینا کوتی کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔" اِدھر اُدھر کی کسی بھی بات میں وقت برباد کیے بغیر ہلڈا نے راست سوال کیا۔

"کیا کہا آپ نے!" ہلارز گلاس سے گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے ... یہ خطرہ مول لینا!" کوتی نے ہلڈا کی طرف دیکھا۔

"میں انہیں کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" ہلارز نے جواب دیا۔

"لیکن پھر بھی دنیا والوں کا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے"

"دنیا والے! میں دنیا والوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا اور خوش بھی وہی رہتا ہے جو کسی چکر میں پڑے بغیر اپنی من مانی کرتا چلا جاتا ہے۔"

"مجھے غلط مت سمجھو۔ میرا اور تمہارا کوئی رشتہ تو نہیں ہے جو میں تمہیں مشورہ دوں، لیکن کوتی کی بھلائی کا خیال کرتے ہوئے ... "

"رشتہ کیسے نہیں ہے؟ اگر آپ کوتی اور میرے تعلقات کو قبول کرتی ہیں تو رشتہ آپ سے آپ ہو ہی جائے گا۔"

"اوہ!" ہلڈا کو غصہ آگیا۔ ہلارز نے بھی محسوس کیا کہ بات بڑھی تو جھگڑا بن جائے گی۔ اس نے خاموش رہنے میں ہی بھلائی سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ہلڈا اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ہلارز بھی اُٹھا اور ہلڈا کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

"میں اپنا راستہ خود تلاش کر سکتی ہوں، آپ تکلیف نہ کیجیے۔" ہلارز کو پیچھے پیچھے آتا دیکھ کر ہلڈا بولی۔

"جی نہیں۔ راستہ ٹیڑھا میڑھا ہے، آپ جنگل میں پہلی بار آئی ہیں اور رات اندھیری ہے۔"
اس وقت تک کوتی بھی جھونپڑی کے دروازے کی زنجیر لگا کر دونوں کے ساتھ آملی تھی۔ تینوں چپ چاپ چلتے رہے۔ ڈھلان ہونے کی وجہ سڑک تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

•

کار وہیں کھڑی تھی۔ شیشوں پر ہلکی ہلکی دھند جم گئی تھی۔ لہٰذا کار میں بیٹھ گئی، اس نے کوتی کی طرف کا شیشہ گرا دیا اور انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد کوتی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "صبح زیادہ دیر تک انتظار مت کروانا۔"

"نہیں، میں وقت پر آجاؤں گی۔"

کار اسٹارٹ ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے سڑک پر دھوئیں کی بو پھیل گئی۔ کوتی اور ٹلارز جھونپڑی کی طرف لوٹنے لگے۔ دونوں تیز چل رہے تھے۔

رات اندھیری تھی، گھپ اندھیری۔ اندھیرے میں سر اٹھائی ہوئی پہاڑیوں پر کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نیلے آسمان کے پس منظر میں صرف ہلکے کناروں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ ہوا میں جنگل کی تازہ خوشبو تھی۔ دور کہیں کوئی اُلّو بولا۔ کوتی نے گھبرا کر ٹلارز کی بانہہ تھام لی۔ کار کی دور ہوتی ہوئی روشنی گھما کر غائب ہو رہی تھی۔

"تمہیں پیار نہیں کرو گے؟" راستے میں یکایک کوتی نے ٹلارز سے چمٹ کر پوچھا۔
دو گرم سانسیں ملیں اور الگ ہو گئیں۔

جھونپڑی میں پہنچنے تک دونوں میں سے کسی کو بھی خاموشی توڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب وہ اسٹول پر بیٹھ کر بوٹ کھولنے لگا تو اس نے پہلی بار کوتی کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھ کر کہا، "تم سونے کے کمرے میں چلو۔ میں آتا ہوں۔"

کوتی اٹھ کر جانے لگی تو ٹلارز اس کے کولھوں کی متحرک گولائیاں دیکھ کر کچھ سوچتا رہا، پھر انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور خود بھی سونے کے کمرے میں جا پہنچا۔

ساری رات دھیرے دھیرے چلتے ہوئے شہوانی جذبات کے جنگل میں وہ دونوں کبھی ختم نہ ہونے والا سفر کرتے رہے۔ جہاں سے شروع ہوتے، بار بار وہیں لوٹ آتے۔ پتہ نہیں، کتنی بار۔

ملارز کے جوش کو دیکھ کر کوتی پہلے چند لمحوں تک تو سہمتی رہی، پھر آنکھیں بند کر کے ناہموار ڈھلانوں پر بہنے لگی۔ اب اس کے چاروں طرف ایک سمندر تھا۔ لمس، میٹھا میٹھا درد اور جسم کے اعضاء کو تتر بتر کر کے ساحل پر پھینک دینے کے بعد بار بار جنگل کی گھنی چھاؤں میں دھکیل کرلے جاتا ہوا سمندر۔

سفر کے ان لمحات میں کوتی کا سارا خوف غائب ہو گیا۔ روایتی اشکال کی سنگاؤں میں جما ہوا اجنبی پن، چوٹ کی لکیر کو پار کرتے ہی پگھل گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ فرن ہاؤس سے اسی طرح جسم کے جنگل میں پھلوں کا مزہ چکھتی ہوئی، وحشی انسان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے، خود مختار مادہ کی طرح بے خوف گھومتی رہی ہے۔ اس کی شرم، خوف، لاج سب ختم ہو گئی۔ باقی رہ گئیں صرف روئیں۔ روئیں میں سمانے والی سکھ کی آتشیں لپٹیں۔

وہ شہری تہذیب کی ساری اخلاقی قدروں کو اُدھیڑ کر، سخت گیر مرد کی بانہوں میں پستی ہوئی مکمل سپردگی کا کردار بن کر رہ گئی۔ بھیگی لٹ پٹ، پرسکون اور منزل!

رات میں ایک بار اس کی آنکھ کھلی۔ ملارز کسی تندرست جانور کی طرح بالآخر کے بعد گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ کھسکتا کر ایک بار اور اس سے چمٹ گئی تاکہ نیند میں بھی کوئی ان دونوں کو الگ نہ کر سکے۔

صبح وہ پہلے ہی جاگی۔ اس نے اٹھ کر ملارز کو پیار سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "اُٹھو، پتہ بھی ہے، ساڑھے چھ بجنے والے ہیں۔ ملڈرا انتظار کر رہی ہوگی! اُٹھو بابا، اُٹھو"

ملارز اٹھ گیا اور ہاتھ منہ دھونے لگا۔ کوتی نے بھی منہ وغیرہ صاف کیا۔

لیکن باہر جانے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لیئے باڑہ سے ڈھکے ہوئے پچھواڑے تک ہوکر وہ لوٹ آئی۔

اس کے بعد جب وہ دونوں باہر نکلنے کو ہی تھے کہ گھنٹی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی ... ٹرنگ ... ٹرنگ ... ٹرنگ ... کوتی کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ اس نے گھبرا کر بلارز کی طرف دیکھا۔

بلارز نے اس کے خوف کو سمجھتے ہوئے کہا "تم یہیں رہو، میں دیکھتا ہوں، کون ہے۔"

اس نے دروازہ ذرا سا کھولا اور باہر نکلتے ہی کواڑوں کو احتیاط سے بھیڑ دیا۔ نیچے سڑک پر ایک پوسٹ مین کھڑا تھا۔

"ہاں، بھائی کیا بات ہے؟ آج ادھر کیسے؟" بلارز نے پوچھا۔ اس کا کوئی خط نہیں آیا تھا اور اگر کبھی بھولے بھٹکے سے آتا بھی تو سال میں ایک آدھ بار۔

"تمہارا خط ہے۔" پوسٹ مین نے کہا۔

"اچھا، کہاں سے آیا ہے؟"

"برٹش کولمبیا سے۔"

"اوہ، میرے دوست کا ہے۔ پتہ نہیں پٹھے نے کیا لکھ مارا ہے۔ لاؤ، شکریہ!"

"اچھا بلارز، گڈ بائی!" پوسٹ مین نے کہا۔

"گڈ بائی!"

پوسٹ مین چلا گیا تو کواڑوں کی دراڑ سے جھانکتی ہوئی کوتی نے اطمینان کی سانس لی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں باہر نکلے اور ساتھ ساتھ پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔

"شاید آدمی ساری عمر میں صرف کل جیسی کسی ایک رات کے لیئے ہی زندہ رہتا ہے۔" کوتی نے جدا ہونے سے پہلے کچھ بات چیت کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں" بلارز نے جواب دیا۔ لیکن اس کے لہجے سے واضح تھا کہ وہ منہ سے کچھ کہہ کر رات کی خوشی کے احساس کو کم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پھر دونوں چپ رہے۔ سڑک پر پہنچنے سے پہلے بلارز نے کہا، "بس، میں آگے نہیں جاؤں گا"

کوتی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا پھر کس کر اس سے لپٹ گئی۔ دونوں بوسوں میں بھیگتے ہوئے کھڑے رہے۔

کوتی کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بلارز نے نیچے درختوں کے پار دیکھ کر کہا، "سڑک خالی ہے، شاید ہلڈا ابھی تک نہیں آئی"

کوتی کو ہلڈا کی تاخیر سے کچھ بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ تب ہی دور سے انجن کی آواز سنائی دی اور سڑک پر موڑ کاٹتی ہوئی ہلڈا کی کار دھیمی ہو کر پل کے پاس رک گئی۔

کوتی نے پریشان نظروں سے بلارز کی طرف دیکھا۔ بلارز نے اسے پیار سے تھپتھپایا، چوما اور ڈھیلا چھوڑ دیا۔ دونوں چپ تھے۔

کوتی کار کے پاس پہنچی تو ہلڈا نے پوچھا، "وہ کہاں ہے؟"

"وہ نہیں آئے گا" کوتی نے جواب دیا۔ اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"چشمہ پہن لو اور ہیٹ لگا لو" ہلڈا نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

سسکتی ہوئی کوتی نے دونوں چیزیں پہن لیں، جب کار چلی تو کوتی نے سڑک کے پار جنگل کے سرے پر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

۱۹

"دیکھو ہلڈا" لندن سے کچھ فاصلہ پہلے ایک ریستوران میں لنچ کھاتے ہوئے

کوآئی نے اپنی بڑی بہن سے کہا: "مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم نے جسم کے حساب کتاب کو آج تک کبھی ٹھیک طریقے سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر تم جانتیں کہ کس طرح ایک مرد کی باہوں میں پگھلنے کی خوشی سے واقف ہونے کے بعد عورت دنیا کی تمام ... "

"مہربانی کرکے بور مت کرو۔" ہلڈا نے اسے بیچ میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں آج تک کسی ایسے مرد کو نہیں جانتی جو سچ مچ سارے نقاب اتار کر پوری طرح کسی ایک عورت کے حوالے ہو جانے کے لیے تیار ہو۔ میں کسی کے بستر کی چادر نہیں ہوں جو بلا جھجک ساری باتیں جان سکوں۔ میں جو چاہتی تھی ... مجھے کسی مرد سے نہیں ملا۔ لیکن جو کچھ مجھے نہیں ملا، اسے پا سکنے کا دعویٰ اگر تم کرتی ہو تو میں یہی کہوں گی کہ تمہیں اپنے اور بلاآرز کے بارے میں بڑی غلط فہمی ہے۔"

کوآئی مکمل تعارف ... غیر مشروط سپردگی کی بات سوچتی رہی۔ اس کے لیے مکمل تعارف کا مطلب تھا، ایک دوسرے کی زندگی کے بارے میں چھوٹی سی چھوٹی بات، ایک ایک واقعے سے واقفیت۔

لیکن اتنا کچھ جان لینے سے تو بوریت کی حد ہو جائے گی، اس نے سوچا اور پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ اتنی قربت کے باوجود اس کے اور بلاآرز کے درمیان کہیں ایسی کسی بوریت کا کوئی گذر تو نہ تھا۔

"میرا خیال ہے، تم ہمیشہ اپنے بارے میں ہی اتنا سوچتی رہتی ہو کہ تمہیں دوسروں کی بات سمجھ سکنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔" کوآئی نے تھوڑی دیر بعد ہلڈا سے کہا۔

"پتہ نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں اپنے سکھ، اپنی خوشی کے لیے کسی کی غلام نہیں ہوں۔"

"کیوں؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم خود اپنے ہی بنائے ہوئے دائروں میں بندھی چل رہی ہو؟"

ہلڈا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ کار چلاتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی "بہر حال مجھے تم چاہے دائروں سے گھری ہوئی سمجھو، چاہے بد دماغ، لیکن میں اتنی نیچ تو نہیں کہ اپنے شوہر کے نوکروں کے گلے میں باہیں ... "

"یہ کیا کہہ رہی ہو ہلڈا ؟" کوئی نے کرخت آواز میں کہا۔ پھر اسے افسوس ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ ہلڈا کبھی اس کے نقطۂ نظر کو سمجھ نہیں پائے گی۔ اسے اپنی تلخ گفتگو پر افسوس ہو رہا تھا۔

لندن میں سر مالکم ریڈ نے اپنی دونوں بیٹیوں کے سفر کے لیے پورا انتظام کر دیا تھا۔ باپ اور بیٹیاں دو تین روز تک لندن میں ہی رہے۔ پھر ہلڈا اور کوئی سفر پر روانہ ہو گئیں۔ لندن، پیرس اور سوئٹزر لینڈ ہوتی ہوئیں دونوں بہنیں وینس آ پہنچیں۔ کوئی نے اس سفر کے دوران بہت ساری نئی چیزیں دیکھیں۔ لیکن اسے کوئی خاص لطف نہ آسکا۔ سب ہی جگہ ایک ہی جیسے لوگ تھے ــــ مطلبی اور دولت کے لالچی۔ سیاحوں کو بہلانے کے لیے ہر ملک میں ایک ہی جیسی من گھڑت کہانیاں سنائی جاتیں، ایک ہی جیسے جھوٹ بولے جاتے اور ہر ملک کے گائیڈ کی یہی کوشش رہتی کہ انہیں کسی طرح زیادہ سے زیادہ بخشش مل جائے۔ اس سے تو ریگبی ہی لاکھ درجہ بہتر تھا، کوئی اکثر سوچتی۔ کم سے کم وہاں سب اپنا تو تھا۔ شور و شغب سے دور اور پُر سکون۔ اسے سیاحوں کے ساتھ آنکھوں پر چشمہ چڑھائے، کیمرہ کندھے پر لادے، اسکرٹ جھولاتے، جانوروں کی طرح جھنڈ میں ہانکا جانا بہت برا لگتا۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ ہلڈا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اسے یہ ساری بوریت برداشت کرنی پڑتی تھی۔

وینس میں ٹھہرنے کا انتظام سر مالکم ریڈ نے پہلے سے ہی کر رکھا تھا۔ میزبان ایک دولت مند جوڑا تھا۔ گھر کا مالک سوسائٹی کے معزز اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اسے جنگ کی خدمات کے صلے میں 'سر' کا خطاب مل چکا تھا۔

مالکن ذرا خبیث تھی، لیکن میاں بیوی دونوں کو ساتھ رہتے رہتے اتنا عرصہ ہو چکا تھا کہ اب وہ ایک دوسرے کی باتوں کا بُرا ماننے کی بجائے ہنس کر ٹال دیتے تھے۔

کوٹی اور ملڈا کے علاوہ گھر میں اور بھی مہمان موجود تھے، لیکن دونوں بہنوں کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ سارا دن اپنے پروگرام کے مطابق سیر سپاٹے میں لگی رہتیں۔ ان کے دادا سر مالکم ریڈ یا تو پینٹنگ کرتے یا دھوپ میں آرام کرسی پر بیٹھے سگار کے کش کھینچتے ہوئے لوگوں کی باتیں سنتے رہتے۔ وہ خود بہت کم بولتے تھے۔

کوٹی تو دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو ذرا الگ تھلگ ہی رکھتی، لیکن ملڈا ہمیشہ اطراف واکناف کے لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے کے لئے بے چین رہتی۔ خاص طور پر عورتوں کے بارے میں کھوج میں لگا رہنا اسے بہت پسند تھا۔ "فلاں عورت شام کو نئے کپڑے پہن کر کہاں جاتی ہے؟" "فلاں کے ہاں وہ نوجوان لڑکا ہر روز دوپہر کو کس لئے آتا ہے؟" "فلاں کی کھڑکیوں پر ہمیشہ پردے کیوں پڑے رہتے ہیں؟" ایسے کئی سوال اس کے دماغ میں ہمیشہ گھومتے رہتے۔ وہ ان الٹی سیدھی باتوں میں کوٹی کو بھی اپنے ساتھ کھینچنے کی کوشش کرتی لیکن کوٹی چپ ہی رہتی۔ اسے دوسروں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

کلیفورڈ باقاعدہ کوٹی کو خط لکھتا۔ طویل اور روایتی، مرصع، فصیح اور بلیغ زبان میں۔ کوٹی کو پہلے پہل تو کلیفورڈ کے خطوں میں کچھ لطف آیا، وہ بھرپور ہوگئی۔ کلیفورڈ ہر بار ایک جیسا ہی خط لکھتا۔ ویسے اس کے خطوط اس قابل تھے کہ انہیں کبھی کتاب میں چھاپا جائے۔ لیکن ان میں ایسا کچھ بھی نہ تھا، جو ایک شوہر کی جانب سے پردیس گئی ہوئی بیوی کو لکھے جانے والے خطوں میں ہوتا ہے۔ جلدی ہی کوٹی، کلیفورڈ کے ایک جیسے خطوں سے اتنی اکتا گئی کہ اس نے رنگینی سے آنے والے خطوں

کا انتظار کرنا ہی چھوڑ دیا۔

پھر اس وقت تک اسے واضح طور پر پتہ لگ گیا تھا کہ وہ حاملہ ہے۔ برسوں سے ستانے والا اس کا خالی پن اب ختم ہو گیا تھا اور وہ زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو مکمل محسوس کرنے لگی تھی۔

اسے وینس آئے ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ واپس جانے میں پندرہ بیس دن اور باقی تھے۔ تب ہی اسے کلیفورڈ کا ایک اور خط ملا۔ یہ خط ریگبی سے آنے والے عام خطوں سے کچھ مختلف تھا۔

کلیفورڈ نے لکھا تھا: "یہاں آج کل بڑی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ ہوا یہ کہ میلارز کی بھگوڑی بیوی دوبارہ لوٹ آئی، لیکن میلارز نے اسے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا اور جنگل والی جھونپڑی چھوڑ کر اپنی ماں کے ساتھ رہنے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن جب وہ جنگل کا چکر لگانے کے بعد جھونپڑی میں لوٹا تو اس نے دروازہ کھلا پایا۔ اندر جا کر دیکھا تو اس کی بیوی بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میلارز نے اسے جھونپڑی سے باہر نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مانی ہی نہیں۔ اسی ضد پر اڑی رہی کہ میں کہیں اور نہیں جاؤں گی۔ ہار کر میلارز نے خود اپنا بوریہ بستر سنبھالا اور گاؤں میں اپنی ماں کے پاس چلا آیا۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ جنگل میں جھونپڑی پر قبضہ کئے بیٹھی ہے۔ اور میلارز ماں کے آنچل میں منہ چھپائے بچا بچا پھرتا ہے۔

"مجھے ان ساری باتوں کا اڑتے اڑتے پتہ چلا ہے۔ سر مالکم کی سمندر کے ساحل پر لی ہوئی تصویر مل گئی۔ سچ مانو تصویر دیکھ کر تھوڑی دیر تک تو تمہاری خوش قسمتی پر رشک ہونے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں وینس کا موسم پورے شباب پر ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تمہارے والد کی تندرستی اس عمر میں بھی اتنی اچھی ہے ... وغیرہ وغیرہ"۔

اس خبر سے کوئی کچھ حیران ہو گئی۔" ایسے سنہرے دنوں میں اس کم بخت عورت کو ہم دونوں کے بیچ آکر کودنا تھا،" اس نے سوچا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ذرا مطمئن بھی ہوئی کہ اگر اس کی وہاں موجودگی میں یہ بکھیڑا ہوا ہوتا تو وہ واقعی مصیبت میں پھنس جاتی۔

پھر اسے غصہ آنے لگا۔ نیچ لوگ نیچ ہی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دم بارہ برس نلی میں رکھو پھر بھی ٹیڑھی ہی نکلے گی۔" اب بتاؤ" اس نے دل ہی دل میں کہا، "یہ چھنال اتنے دنوں بعد ملارز کے پاس کیا لینے آئی ہے؟"

اس کے حاملہ ہونے کے بارے میں کسی کو پتہ نہ تھا۔ اس خط کے بعد کونی کی کشمکش اور بھی بڑھ گئی۔ اسے فکر ہونے لگی کہ کہیں وہ بیمار نہ پڑ جائے۔ بالآخر اس نے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لیے مسز بولٹن کو لکھا۔

مسز بولٹن کا جواب فوراً ہی آگیا۔ مسز بولٹن نے لکھا تھا، "امید ہے کہ آپ تندرست ہونگیں۔ سر کلیفورڈ کی تندرستی بالکل اچھی ہے۔ آج کل تو وہ اتنی لگن سے کام کرنے لگے ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی عمر میں بھی کوئی ایسی سخت محنت کرنے کے بعد اس قدر ہنس مکھ اور خوش مزاج کیسے رہ سکتا ہے؟ آپ کب آئیں گی؟ گھر آپ کے بغیر بالکل سُونا سُونا سا لگتا ہے۔

"جہاں تک ملارز کی بات ہے، میں اس بارے میں کچھ خاص نہیں جانتی۔ لیکن جو کچھ سُنا ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ایک دن شام کو اچانک اس کی بیوی لوٹ آئی۔ جب وہ جنگل کا چکر لگا کر لوٹا تو وہ جھونپڑی کے سامنے دہلیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب ملارز نے اس سے لوٹ آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ بس وہ لوٹ آئی ہے اور اس کے ساتھ دوبارہ نئے سرے سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ چونکہ قانونی طور پر وہ دونوں اب بھی میاں بیوی ہیں، اس لیے ان دونوں کا الگ الگ رہنے یا طلاق دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ملارز نے پچھلے دنوں عدالت میں

طلاق کی درخواست دی تھی۔

"لیکن ملارز نے اس کی بکواس پر کوئی توجہ نہیں دی اور گھر میں گھسنے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود جب وہ اڑی رہی تو ہار کر ملارز اپنی ماں کے یہاں چلا گیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جھونپڑی کا دروازہ ابھی تک بند تھا اور چابی ملارز کے پاس تھی۔

"دوسرے دن صبح جب ملارز آیا تو اس نے دیکھا کہ دروازہ تو بند ہے لیکن کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ بیگم صاحبہ نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر زنجیر کھولی تھی اور اندر تشریف فرما ہوئی تھیں۔ ملارز نے اسے کچھ روپے پیسے کا لالچ بھی دیا، لیکن وہ روپے پیسوں پر راضی ہونے والی نہیں تھی۔ بس یہی کہتی رہی، "میں تمہاری بیوی ہوں۔ مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا حق ہے۔ میں تمہارے ہی ساتھ رہوں گی۔"

ملارز نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کے ساتھ رہنے کی بجائے جہنم میں رہنا زیادہ پسند کرے گا اور اپنی چیزیں اٹھا کر ماں کے یہاں چلا گیا۔

"دوسرے دن اس کی بیوی جنگل سے لوٹ آئی اور گاؤں میں، اپنے بھائی کے گھر سے ملارز کے خلاف پروپگنڈہ کرنے لگی۔ اب وہ گھر گھر یہی کہتی پھر رہی ہے کہ ملارز بدمعاش ہے اور جھونپڑی میں عورتوں کو لا کر رنگ رلیاں مناتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے جھونپڑی میں کی ایک دراز میں قیمتی سینٹ کی ایک شیشی پڑی ملی ہے۔ پھر پوسٹ مین کو بھی یہ کہتے سنا گیا کہ ایک صبح جنگل میں ملارز کو خط دیتے وقت اس نے جھونپڑی میں کسی عورت کی آواز سنی تھی۔

"تھوڑے دنوں تک تو آپ سمجھیے، یوں ہی چلتا رہا۔ ملارز اپنی ماں کے یہاں رہا اور اس کی بیوی اپنے بھائی کے یہاں۔ البتہ خوب پروپگنڈہ ہوا۔ وہ روز جنگل میں چلی جاتی اور سارا سارا دن جھونپڑی میں بیٹھی رہتی۔ جب اس کا اپنی بھائی سے

۱۴۲

بھی جھگڑا ہوگیا تو وہ مستقل طور پر ہی جھونپڑی میں جا بسی۔ بلآرز نے جھونپڑی خالی کرنے کے لیئے ایک دن کچھ لوگوں کی مدد سے اپنا سارا سامان وہاں سے اُٹھوا لیا۔ اب اس کی بیوی نے لڑنے جھگڑنے کی بجائے رونے دھونے کا سہارا لیا۔ آج کل جنگ چھڑی ہی رہتی ہے۔ اس نے کسی عورت کا نام بھی لینا شروع کر دیا ہے اور سارے گاؤں میں کہتی پھرتی ہے کہ جب تک بلآرز زندہ ہے وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

خط پڑھ کر کوتی دنگ رہ گئی۔ اسے بلآرز پر غصہ آنے لگا کہ اس نے پہلے ہی طلاق کی کارروائی پوری کیوں نہیں کر لی تھی۔ لیکن یہ غصہ جلدی ہی ٹھنڈا ہو گیا اور وہ سینٹ کی شیشی کے بارے میں سوچنے لگی۔ دراصل غلطی اسی کی ہی تھی۔ ایک دن فرطِ محبت سے وہ سینٹ کی شیشی جھونپڑی میں چھوڑ آئی تھی تاکہ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کی خوشبو بلآرز کے گرد منڈلاتی رہے۔

پھر اسے دوبارہ بلآرز کی یاد آئی، وہ کتنا اکیلا اور پریشان ہوگا، کوتی نے سوچا۔ دھیرے دھیرے جنگل کی مانوس آوازوں پر تیرتی ہوئی جھونپڑی کا نیم گرم اندھیرا اس کے جسم میں جاگنے لگا۔ اس کے گھٹنوں پر سوئے ہوئے لمس، تپتے تپتے اوپر کی جانب رینگنے لگے۔

پتہ نہیں اسے کیا سوجھا کہ اس نے مسز بوتن کو جواب لکھتے وقت، خط کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی چٹھی بلآرز کے نام بھی رکھ دی۔ کوتی نے لکھا، "مجھے یہ جان کر بڑا دکھ ہوا کہ تمہاری بیوی آج کل تمہیں پریشان کر رہی ہے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ شاید پاگل عورتوں کی طرح اسے دورہ پڑ رہا ہے۔ اور اس کا یہ جنون تھوڑے ہی دنوں میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔ مجھے مسز بوتن نے اس بارے میں لکھا تھا۔ شاید وہ تمہارے گلے نہیں پڑنا چاہتی۔ میں دو ہفتے میں واپس لوٹ آؤں گی۔ اور امید ہے کہ اس وقت تک یہ سارا ہلا گلا ختم ہو چکا ہوگا۔"

کچھ ہی دنوں بعد اسے کلیفورڈ کا خط ملا۔ "یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم جلدی ہی واپس لوٹ رہی ہو۔ یہاں سب تمہاری آمد کے منتظر ہیں۔

"رکھوالے کے بارے میں اسکینڈل بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کی بیوی، برتھا نے سچ مچ اس کا جینا حرام کر دیا ہے۔ آج کل سب لوگ زیادہ تر اس کے بارے میں ہی باتیں کرتے ہیں۔ نوکروں کو تو چھوڑو، مسز بولٹن تک اس سلسلہ میں تازہ ترین خبریں اکٹھا کرنے کے لیئے بے چین رہتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تہذیب کے ہزاروں برس گزر جانے پر بھی انسان ابھی تک اتنا گرا ہوا کیوں ہے؟ کیوں ہم لوگ اس طرح ایک دوسرے کی نجی زندگیوں کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں؟

"بہر حال، اب تو برتھا نے اپنی اور میلارز کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی ایسی ایسی باتیں شروع کر دی ہیں کہ خدا بچائے۔ پتہ نہیں لوگ کیسے اب ایسی فحش باتیں عام طور پر سننا گوارا کر لیتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ادھر میلارز کا دماغ بھی کچھ خراب ہو گیا۔ میں نے اسے یہ پوچھنے کے لیئے بلایا تھا کہ کیا وہ اپنا کام بخوبی انجام دے سکے گا یا نوکری چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے گا۔ اس کا جواب اس نے بڑے بے تکے لفظوں میں دیا اور میرے سامنے ہی گاؤں والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جب میں نے اس سے اسکینڈل کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہا تو بولا" اب اگر میں مرد ہوں اور خدا نے میری ٹانگوں کے بیچ میں کوئی چیز لگا کر بھیجا ہے تو کیا اس کے لیئے بھی میں ذمہ دار ہوں؟'

"پھر جب میں نے پوچھا کہ کیا وہ واقعی جھونپڑی میں عورت لاتا تھا تو اس نے کہا، 'اس سے آپ کو کیا واسطہ؟' میں نے کہا کہ جنگل میری جائداد ہے اور میں وہاں کسی قسم کی بیہودگی برداشت نہیں کر سکتا۔ تو اس نے جواب دیا، 'آپ میرے سر پر کیوں چڑھتے ہیں؟ جائیے اور اس رانڈ کا منہ بند کرائیے جو واہی تباہی بکتی پھر رہی ہے۔'

جب میں نے دوبارہ اس کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی سوال پوچھنے کی کوشش کی تو وہ بولا، 'میں کیا بتاؤں۔ آپ کا جو جی چاہے، کہیئے۔ اور چاہے تو لوگوں سے بھی کہیئے کہ میں اپنے کتے کو بیوی کی جگہ استعمال کرتا رہا ہوں۔ میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'

"برتھا نے پچھلے دنوں اتنا دنگا شروع کر دیا کہ سارے گاؤں کی ناک میں دم ہو گیا تھا۔ تنگ آ کر ہم نے اس کے نام وارنٹ نکلوا دیا۔ اب اگر وہ گاؤں کے آس پاس کہیں بھی دکھائی دے تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ ملارز کی میں نے چھٹی کر دی ہے۔ وہ آئندہ ہفتے تک چلا جائے گا۔ پھر شاید سب کچھ پُرامن ہو جائے گا۔ تم اپنی صحت کا خیال رکھنا۔"

کونی کو کلیفورڈ کا یہ خط کچھ بُرا لگا، لیکن اسے ملارز پر بھی تھوڑا غصہ آیا کہ اسے یہ ساری بدتمیزی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بات آسانی سے بھی سلجھائی جا سکتی تھی۔

اسی وقت اسے ملارز کا خط ملا۔ "تمہیں، برتھا اور میرے بیچ جو گڑبڑ ہوئی ہے اس کے بارے میں اوروں سے اطلاع مل ہی گئی ہو گی۔ ایک تو سینٹ کی شیشی جو تم یہاں دراز میں چھوڑ گئی تھیں وہ اور ایک تمہاری کتاب، ان دونوں کو لے کر اس نے بڑا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ کتاب پر تمہارا نام لکھا ہوا تھا۔ بس، اس کے لیئے اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا۔ وہ گاؤں بھر میں ڈھنڈورہ پیٹتی پھری۔ وہ تو شکر سمجھو کہ وارنٹ نکل گیا ورنہ پتہ نہیں کب تک میرا لہو پیتی۔

"سر کلیفورڈ نے بھی مجھے بُلایا تھا۔ انہوں نے سیدھے ڈھنگ سے بات کرنے کی بجائے کچھ ایسے اُلٹے سیدھے سوال مجھ سے پوچھے کہ مجھے غصہ آ گیا۔ پھر عورتوں کے بارے میں پوچھنے لگے تو میں نے کہا کہ جمعدار کی بیٹری میں تو انگلستان کی ملکہ کی تصویر بھی ٹنگی ہوئی ہے لیکن اس کا یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ ملکہ میرے حرم میں شامل ہے؟ پھر وہ کہنے لگے کہ میں گاؤں میں چھٹیلے سانڈ کی طرح گھومتا ہوں،

تو میں نے کہہ دیا کہ سانڈ جیسا وہی گھوم سکتا ہے جس کے پاس گائیوں کو دینے کے لیے کچھ ہو۔ نام وکیا گھومے گا؟ یہ سن کر انہوں نے مجھے نوکری چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ اور میں نے انہیں بتایا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر جھونپڑی خالی کر دوں گا۔

" اب اس کے بعد میں لندن چلا جاؤں گا۔ لندن - ۱۷، کوبرگ اسکوائر میں جہاں میں پہلے رہتا تھا۔ یا تو وہیں رہوں گا یا اپنی لینڈ لیڈی سے کہوں گا کہ میرا کہیں اور انتظام کر دے۔"

خط میں اس نے اپنے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ نہ کونی کے بارے میں۔ کونی کو اس کی اس بے رخی سے تھوڑی سی ٹھیس پہنچی۔ اس نے محسوس کیا کہ میلارز کو کم از کم سب کچھ صاف صاف بتا دینا چاہئیے تھا۔ تب کچھ مزہ آتا۔

لیکن جلدی ہی اسے محسوس ہونے لگا کہ ان بے کار باتوں میں وقت برباد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسے جلد ہی کچھ فیصلہ کرنا ہے اور وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

۲۰

اب کونی کے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ سنیچر کو وینس سے لندن کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔

اس نے میلارز کو خط لکھ کر ملنے کا وقت مقرر کر لیا۔ دونوں کی ملاقات آئندہ پیر کی شام کو ہونے والی تھی۔

لیکن فیصلہ کی بات جہاں کی تہاں تھی اور کونی کو محسوس ہو رہا تھا گویا اس کی ساری صلاحیتیں زنگ آلود ہو گئی ہوں۔ وہ ہمیشہ کچھ بجھی بجھی سی رہتی۔ یہاں تک کہ ایک دن غصہ میں آ کر ہلڈا سے جھگڑ بیٹھی اور دونوں بہنوں میں بات چیت بند ہونے کی نوبت آ گئی۔
وینس سے لوٹتے وقت یہ طے کیا گیا کہ سر ہلکم اور کونی ساتھ ساتھ سفر کریں گے۔ ہلڈا

ڈنکن کے ساتھ جائے گی۔ ڈنکن ان دنوں وینس ہی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ سر مالکم ریڈ کا . . . دوست اور ایک مشہور مصور تھا۔ اس کے دل میں کوآن کے لیے محبت ضرور تھی اور اسی لیے ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے وہ کوآن کے قریب رہنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لیکن اسے اتنی ہمت کبھی نہ ہوئی کہ کوآن کے سامنے اپنے احساسات کو ظاہر کر سکے، اس لیے وہ اوروں کے سامنے کوآن سے کچھ مرعوب بھی محسوس کرتا۔

کوآن اور سر مالکم اکٹھے روانہ ہوئے۔ اورینٹ ایکسپریس تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فرسٹ کلاس کا ڈبہ ہونے کی وجہ زیادہ اثر معلوم نہ تھا۔ کوآن برتھ کے سرے پر کھڑکی کے پاس ہونٹ بھینچے چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی لیکن کھڑکی کے باہر دوڑتے مناظر سے اسے کوئی دلچسپی تھی۔

"اتنی خوب صورت جگہ پر ایک مہینے تک رہنے کے بعد رگمینی لوٹنا تو تمہیں برا برا لگتا ہوگا؟" سر مالکم نے اپنا سگار سلگاتے ہوئے کوآن سے پوچھا۔

کوآن نے محسوس کیا کہ اب والد کے سامنے سچ سچ کہہ دینے کا وقت آگیا ہے۔ "میں رگمینی واپس نہیں لوٹوں گی۔" کوآن نے سر مالکم کی دھوپ سے ڈھکی ہوئی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی کچھ روز تک پیرس میں ٹھہرو گی؟"

"جی نہیں، میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رگمینی سے پیچھا چھڑا لینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"کیسے؟ یکایک یہ کیا ہو گیا؟"

"وہ . . . وہ . . . بات یہ ہے کہ میرے بچہ ہونے والا ہے۔"

کوآن نے پہلی بار کسی تیسرے آدمی کے سامنے بچے کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" سر مالکم نے پوچھا۔

کوآن مسکرائی۔ "معلوم کا کیا مطلب؟ جیسے سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔"

"ہاں . . . لیکن بچہ جیفورڈ کا تو نہیں ہے نا!"

"جی نہیں، ایک اور آدمی کا ہے۔"

"میں نے اسے دیکھا ہے؟"

"جی نہیں، آپ کی اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

تھوڑی دیر تک دونوں چپ رہے۔

"تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" آخر سر اکرم نے پوچھا۔

"ابھی کچھ قطعی نہیں۔ دراصل میں اسی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کلیفورڈ کے پاس لوٹ جانے میں کیا ہرج ہے؟"

"ہاں، ہرج تو کچھ نہیں ہے۔ کلیفورڈ بھی برا نہیں مانے گا۔ اس نے کئی بار مجھ سے صاف صاف لفظوں میں کہا ہے کہ اگر میں خاندان کا سلسلہ چلانے کے لیے کسی اور شخص سے بھی استفادہ کروں تو کوئی ہرج نہیں۔"

گڈ، ویری گڈ ... اس کا مطلب ہے، کلیفورڈ واقعی کبھی بڑی سمجھ داری کی بات کرتا ہے! تو پھر تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"ارے، سمجھ میں کیا آنا ہے! سیدھے رگبی چلی جاؤ اور کلیفورڈ کو بتا دو کہ تم اس کے لیے جانشین لے آئی ہو۔"

"لیکن میں ... میں وہاں جانا نہیں چاہتی، پاپا۔"

سر اکرم نے کونی کی طرف دیکھا۔ انہیں محسوس ہوا کہ اتنی بڑی ہو جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک بچی ہے۔ "اگر صاف صاف ہی سننا چاہتی ہو تو سنو" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے بولے، "سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دنیا جیسی ہے ویسی ہی رہتی ہے۔ میرے جیسے، تمہارے جیسے، کلیفورڈ جیسے ہزاروں آتے ہیں، چلے جاتے ہیں اور دنیا کا کام اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ یہ ایک اتنا بڑا کارواں ہے کہ

کسی بھی مسافر کی حرکتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی ہوتی ہے۔ خود بخود ہو جاتی ہے۔ اگر تم ریگبی چلی گئیں تو یقیناً لوگ کچھ دنوں تک چہ میگوئیاں کریں گے، تمہارا اور کلیفورڈ کا مذاق اڑائیں گے، لیکن پھر سب کچھ معتدل ہو جائے گا۔ صرف اس لیئے کہ لوگ کیا کہیں گے، اس ڈر سے ریگبی نہ لوٹنے کی بات تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

اس کے بعد دونوں کے درمیان کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی۔ کہنے کے لیئے تھا ہی کیا؛ سر مالکم اپنا خیال کونی کے سامنے رکھ ہی چکے تھے۔

لیکن سر مالکم ناراض نہیں تھے۔ وہ ایک طرح سے خوش ہی تھے۔ "آخر کار کونی کو کوئی ڈھنگ کا مرد تو ملا، ورنہ بیچاری یوں ہی گھل گھل کر مر جاتی۔" انھوں نے اپنے آپ سے کہا، اور اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر دوبارہ سگار سلگایا۔

جب باپ بیٹی ہوٹل پہنچے تو کونی کو ملارز کا خط ملا۔ خط میں لکھا تھا، "میں تمہارے ہوٹل پر ملنے نہیں آؤں گا۔ تم ہی مجھ سے ملنے آ سکو تو اچھا ہو گا۔ کل آدم اسٹریٹ میں گولڈن کاک کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

جب کونی آدم اسٹریٹ کا نکڑ پار کر چکی تو اس نے ملارز کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ ویسا ہی چھریرا، لیکن سیدھا اکڑا ہوا۔ ملارز کے کپڑے سادہ تھے۔ اس کے کپڑوں میں کہیں بھی اعلیٰ طبقے کے مردوں کے لباس جیسی بھڑک نہیں تھی۔ پھر بھی کونی نے محسوس کیا کہ وہ آس پاس سے گزرتے ہوئے سب مردوں سے بڑھ کر بانکا اور سجیلا ہے۔ جذبات سے اس کا دل معمور ہو گیا۔

"ہیلو، کیسی ہو۔ بڑی صحت مند لگ رہی ہو۔ وینس کی چھٹیوں کا تم پر اچھا اثر ہوا۔"

"ہاں! لیکن تم اتنے دُبلے کیوں ہو گئے ہو؟" کونی نے ملارز کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے گالوں کی ہڈیاں پہلے سے بھی زیادہ اُبھر آئی تھیں۔

ملارز کچھ نہیں بولا۔ چپ رہا۔ کونی نے محسوس کیا کہ اسے کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔

دونوں اندر ریستوران میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر تک دونوں بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر بلآرز مسکرایا۔ بلآرز کے مسکراتے ہی کوآنی نے محسوس کیا گویا تھوڑی دیر پہلے کا اجنبی پن ختم ہو گیا ہے اور وہ دونوں بالکل پہلے کی طرح ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں۔ کوآنی بھی مسکرائی۔

"تمہیں زیادہ پریشان تو نہیں ہونا پڑا؟" کوآنی نے ہولے سے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس کا مطلب رگبی ہال کے واقعات سے تھا۔

بلآرز نے جواب نہیں دیا۔ میز پر ہاتھ ٹکائے چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کوآنی نے اس کے کھُردرے ہاتھوں کی جلد کو دیکھا۔ نیلی نیلی رگیں اُبھر آئی تھیں۔ کوآنی کا دل چاہا کہ رگوں پر ہونٹ رکھ دے لیکن ریستوران کا خیال کر کے رہ گئی۔

"تھوڑی بہت پریشانی تو ہوئی" کوآنی کو مطمئن کرنے کے لیے زبردستی مسکراتے ہوئے بلآرز بولا، "لیکن پھر جب میں چلا ہی آیا تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے"۔

کافی دیر تک دونوں چپ رہے۔

"میری یاد آتی تھی؟" پھر کوآنی نے پوچھا۔

"یہی سوچ کر تسلی دے لیتا تھا کہ تم ساری جھنجھٹ سے بچی ہوئی ہو"

تھوڑی دیر کے لیے دونوں پھر چپ ہو گئے۔

"لوگوں کو تمہارے اور میرے بارے میں پہلے ہی شک تھا یا انہوں نے تمہاری بیوی کی باتیں سن کر اندازہ لگایا؟"

"میرا خیال ہے کہ گاؤں میں سے کسی کو بھی ہمارے بارے میں معلوم نہیں تھا"

"اور کلیفورڈ کو؟"

"کلیفورڈ کو بھی نہیں۔ البتہ اسے لوگوں کی باتیں سن سن کر شک ہو گیا ہو تو کہہ نہیں سکتا۔ شاید اسی لئے اس نے مجھے نکال کر جتنا جلدی ہو سکا ۔۔۔ اپنا پیچھا چھڑالیا"

کہتے کہتے ملآرز یکایک رُک گیا۔ کوآنی نے محسوس کیا کہ ان دونوں کے بیچ دوبارہ ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہے۔

اس وقت تک ویٹرس آگئی تھی۔ ملآرز نے دو گلاس شیری کا آرڈر دے دیا۔

"تم خوش تو ہو، نا؟ بتاؤ۔" کوآنی نے میز کے نیچے ملآرز کا ہاتھ تلاش کرتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"کبھی کبھی آنے والے دنوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو ... "

"آنے والے دنوں کی بات چھوڑو، اب کی بات بتاؤ۔ کیا تم خوش نہیں ہو؟"

"میں آنے والے دنوں سے ڈرتا ہوں۔"

"لیکن تمہیں کسی چیز سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، کلیفورڈ بغیر کسی اعتراض کے بچے کو اپنا لے گا۔"

ملآرز چپ تھا۔ کوآنی جانتی تھی کہ اندر ہی اندر اسے کوئی بات ستا رہی ہے۔

"پھر ... جب وہ بچے کے باپ کے بارے میں پوچھے گا تو تم کیا کہو گے؟"

ملآرز تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ارے، اس میں بتانے کی کیا بات ہے؟"

دونوں پھر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے۔

"لیکن تم یہ تو نہیں چاہتے کہ میں ریگبی واپس لوٹ جاؤں؟" کوآنی نے پوچھا۔

"تم جانا چاہتی ہو؟"

"میں صرف تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

ملآرز نے کوآنی کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی کے ہتھوں پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی، ہلکے اندھیرے میں اس کے چہرے کی معصومیت اور بھی دلکش لگنے لگی تھی، اسے کوآنی کو دیکھ کر ایک بار پھر سب کچھ یاد آ گیا۔

اسی دوران ویٹرس شربری کے گلاس لاکر رکھ گئی تھی۔ بلارز نے ایک گھونٹ لیا۔ کوئی کی طرف دیکھا اور بولا، "لیکن میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کیا ہے؟"

"کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے سارے تعلقات کا فیصلہ لین دین کی بنیاد پر ہی کریں۔ لین دین سے بلند ہو کر بھی کچھ ہوتا ہے یا نہیں؟" کوئی کا لہجہ تھوڑا تیز ہو گیا تھا۔

"اتنا حساس ہونے سے کام نہیں چلتا کوئی" بلارز نے اب تک اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، "جینے کا مطلب ہے مسلسل ایک دوسرے سے بندھے رہنا اور اگر ہم ایک دوسرے کو کچھ نہیں دے سکتے تو ساتھ ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔" ایک مرد جب عورت سے مکمل سپردگی کی امید رکھتا ہے تو بدلے میں اس کے پاس کچھ دینے کے لئے بھی تو ہونا چاہیے۔ میں تمہارا صرف عاشق بن کر تو نہیں رہ سکتا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ایسی صورت میں تم مجھ سے جلد ہی اکتا جاؤ گی۔ اور پھر ایسا ہونا میری فطرت کے خلاف ہے۔"

"تو تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے؟"

بلارز دھیرے سے مسکرایا "بھروسہ کی بات نہیں ہے" اس نے کہا۔

"تو ڈرتے ہو؟"

"نہیں"

"سوچتے ہو کہ میرا پیسہ اور پوزیشن تم پر چھا جائے گی؟"

اس بار بلارز ہنس کر بات کو ٹال نہ سکا۔ کوئی نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ لیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک چپ بیٹھا رہا۔

دوبارہ بات چیت کوئی نے ہی شروع کی "لیکن کیا میں تمہارے لئے صرف پیسہ ہوں! کیا تم مجھے صرف لیڈی چیٹرلی کی حیثیت سے جانتے ہو؟ کیا میرے تمہارے

بیچ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہم دونوں کو مرد اور عورت کی طرح باندھ کر رکھ سکے ؟"

ملارز کیا کہتا ! اس کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ کوتی نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ مغموم ہونے لگا تھا، لیکن اسی وقت کوتی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میز کے نیچے ٹٹول کر اس کے گھٹنوں پر انگلیاں رکھ دیں۔ ملارز جان گیا۔ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی عورت صرف ایک جسم ہی نہیں ہے۔ جسم کا وہ رشتہ جو عورت اور مرد کے درمیان روز بروز پکا ہوتا جاتا ہے، اس کے دماغ میں ہلچل مچانے لگا۔ ویسے اسے نہ پیاس محسوس ہو رہی تھی اور نہ عادت نہ صرف ایک لمس تھا۔ جس نے آہستہ سے تھپتھپا کر جنگلوں میں بہتی ہوئی ہواؤں، چیڑ کے درختوں پر کانپتے اندھیروں اور نئی مٹی کی خوشبو والے آدھے گیلے جسموں کی ساکت تصویر میں جان ڈال دی تھی۔ پچھلے دس منٹوں سے دونوں چپ تھے، لیکن سوچ نہیں رہے تھے۔ کبھی کبھی یاد آتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر پھر کہیں اور دیکھنے لگتے تھے۔

ہال میں ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ سی تھی، پیالوں، بالوں اور دروازہ کھلنے، بند ہونے پر تیز آنے والے شور کی ملی جلی آوازیں۔ ملارز نے کوتی کی جانب دیکھا، وہ میز پر ٹیک سی گئی تھی، تھکی ہوئی اور منتظر۔ اس کے گالوں پر تندرستی کی چمک تھی لیکن جھکی ہوئی آنکھوں اور کنارے پر بھینچے ہونٹوں پر غیر یقینی کیفیت بھی تھی۔

عزت اور ناموس کی نیلی دیواروں کو توڑ کر ایک معمولی ریستوران میں میز پر ٹکی ہوئی مالدار، وفادار عورت کی یہ حیران کن غیر یقینی کیفیت ملارز کو چھو گئی۔ اس کی ساری مشکلات دور ہو گئیں اور پرانی آگ کی ننھی ننھی گلابی پتیاں پھر سے اس کی جانگھوں میں سے ہو کر دھیرے دھیرے اس کی کمر کو جکڑتی ہوئی ادھر ادھر پھیلنے لگیں۔

"آؤ کمرے میں چلیں۔" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

کمرہ ریستوران سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد چادر اوڑھتے ہی دونوں سب کچھ بھول گئے۔ تلخیاں، بدنامی، اندیشے ــــ دو جسموں کے تعارف میں ڈوب گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا۔

"تم نے برتھا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" کوتی نے ٹھنڈ سے بچنے کے لیے گلے تک چادر کھینچتے ہوئے کہا۔

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"لیکن ریت میں سر چھپانے سے کام تھوڑے ہی چلے گا۔ مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل تو ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔"

"چھ مہینے میں طلاق کی نوٹس کی معیاد پوری ہو جائے گی۔ ایک دو تین ... ستمبر اور اس کے بعد تین مہینے اور سمجھ لو، مارچ تک ساری کارروائی پوری ہو جائے گی۔"

"لیکن بچہ تو فروری تک آ چکا ہوگا۔" کوتی نے شکایتی انداز میں کہا۔

"کاش، یہ کمفیورڈ اور برتھا جیسے کیڑے اس دھرتی پر پیدا ہی نہ ہوتے!" ملارز کو جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو کوتی خیالوں میں گم تھی۔ اس کا دل یہ جان لینے سے ہلکا تو ضرور ہو گیا تھا کہ ملارز، برتھا سے پیچھا چھڑا لینے کا خواہش مند ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ قانونی کارروائی کے بارے میں متفکر بھی تھی۔ اب ملارز کے عدالت میں درخواست دینے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ کوتی اور ملارز ساتھ ساتھ نہ دکھائی دیں کیونکہ اگر دونوں ساتھ ساتھ دکھائی دیئے جاتے تو پانسہ الٹا پڑنے کا خطرہ تھا۔ ایسی صورت میں برتھا، ملارز پر بدکردار ہونے کا الزام لگا کر ہرجانہ کا مطالبہ کر سکتی تھی۔ یہی مشکل بچے کے بارے میں بھی تھی۔ کلفورڈ سے علیحدہ ہونے کے لیے یہ ضروری تھا کہ کسی کو ملارز اور کوتی کے تعلقات کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل سکے۔

کوٹی کو بھی جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ "آخر یہ سارا قانون کا جال کس لیے ہے؟" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "کیا ہم لوگ اپنی مرضی سے زندگی بھی نہیں گزار سکتے؟"

سر مالکم کے مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ ڈنکن کو اس بات پر راضی کیا جائے کہ وہ کوئی جنجنٹ اُٹھ کھڑی ہونے پر خود کو کوٹی کے بچے کا باپ ظاہر کرے۔ کوٹی چاہتی تو نہیں تھی کہ اس قسم کا کوئی راستہ ڈرامہ ہو لیکن کلیفورڈ کو طلاق کے لیئے راضی کرنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس کے سامنے ڈنکن کو حریف کے روپ میں پیش کیا جائے تاکہ اسے کم سے کم یہ تسلی تو ہو کہ کوٹی نے اسے چھوڑ کر کوئون کے کسی معزز فرد کو منتخب کیا ہے۔

ڈنکن نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا پھر راضی ہو گیا۔ وہ کوٹی کو متاثر کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتا تھا۔

ہلڈا، ڈنکن کی اس رضامندی سے بہت ناراض ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ بات جہاں تک بڑھی ہے وہیں رک جاتی تو اچھا تھا۔ لیکن اس کے خیال میں اب تو کوٹی واقعی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کو تلی ہوئی تھی۔ اور ہلڈا کچھ نہ کر سکنے کی وجہ بے چارگی سے مری جا رہی تھی۔ وہ کوٹی کی حرکتوں سے اُٹھ کھڑے ہونے والے جھگڑوں اور لوگوں کے طعنے تشنعوں کے بارے میں جتنا سوچتی اتنا گھبرا جاتی۔ اسے کوٹی سے نفرت ہونے لگی۔

بلازر اور سر مالکم کا ایک دوسرے سے تعارف کرانے کے لئے کوٹی نے ایک ڈنر کا اہتمام کیا۔ سر مالکم اس ڈنر کے لیئے رضامند نہیں تھے اور بلازر لوگوں سے ملنے جلنے کو ایک اکتا دینے والا کام سمجھتا تھا۔ لیکن کوٹی کی ضد کے آگے دونوں کو جھکنا پڑا۔ ایک کلب کے پرائیوٹ کمرے میں کھانے کا انتظام کیا گیا۔ دونوں شخص پہلے تو کچھ دیر تک اُکھڑے اُکھڑے رہے۔ سر مالکم کو ان کی خاندانی آن بان اور بلازر کو اپنے منصبے کا احساس روکے ہوئے تھا۔ موسم وغیرہ پر ادھر اُدھر کی عام باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ہندوستان پر بات چیت شروع ہو گئی چونکہ اس موضوع پر بلازر پورے وثوق کے ساتھ بول سکتا تھا۔ اس لیئے اس نے ہندوستان

کے نظام حکومت، جغرافیہ، اور فوج وغیرہ کے بارے میں کئی اہم ترین باتیں بتا کر سر مالکم کو بے حد متاثر کیا۔ وہ جان گئے کہ ان کے سامنے بیٹھا ہوا آدمی کوئی کھلنڈرا عاشق نہیں ہے بلکہ سمجھدار آدمی ہے اور موقع پڑنے پر پتے کی بات کہہ سکتا ہے۔

پھر شراب کے دور چلنے لگے۔ سر مالکم نے جوں ہی جام چڑھانے شروع کئے۔ ان کا روایتی تکلف ختم ہونے لگا۔ ملارز نے اپنے حسنِ سلوک سے یہ ثابت تو کر ہی دیا تھا کہ وہ نام نہاد اہل کوتوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اب شراب پی لینے کے بعد سر مالکم اس سے کھل کر ہنسی مذاق کرنے لگے۔ مردوں کے مذاق ہونے لگے اور آدھے گھنٹے کے اندر اندر دونوں ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔

جب ڈنر ختم ہوا تو سر مالکم اپنے طبقے کی ساری شان و شوکت کو بالائے طاق رکھ کر ملارز کے گلے میں باہیں ڈال کر ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

اب صرف کلیفورڈ کو خط لکھنا باقی رہ گیا تھا۔

"ڈیر کلیفورڈ"

"جو تم نے چاہا تھا وہی ہوا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں اپنے ہونے والے بچے کے باپ سے سچ مچ پیار کرنے لگی ہوں۔ اس حالت میں ہم دونوں کے لئے الگ ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے اور طلاق کی قانونی کارروائی میں کوئی اعتراض نہیں کرو گے۔

"فی الحال میں ڈنکن کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہ رہی ہوں۔ ڈنکن، وینس میں بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔

"مجھے معاف کر دینا اور طلاق کے بعد اپنے لیے کوئی اچھی سی عورت ڈھونڈنے کی کوشش کرنا، میں تمہارے لائق نہیں تھی۔"

جب کلیفورڈ کو یہ خط ملا تو اسے ہلکا سا تعجب ہوا۔ لیکن یہ تعجب صرف ظاہری تھا۔ اندرونی طور پر اسے ہمیشہ یہی اندیشہ تھا کہ ایک نہ ایک دن ایسی صورت حال ضرور اٹھ کھڑی ہوگی۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو غلط فہمی میں مبتلا رکھتے ہوئے حقیقت کا اعتراف کرنے سے گریز کرتا رہا تھا۔ ہر ایک حقیقت اس کے سامنے بالکل عیاں اور عریاں کھڑی تھی۔

اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا اور وہ پیٹ میں اٹھتی ہوئی گھبراہٹ کی لہروں سے بچنے کے لیے آنکھیں بند کر کے نڈھال پڑ گیا۔

اس وقت مسز بولٹن اندر آئی اور اسے اس طرح نڈھال دیکھ کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولی، "کیا ہوا مسٹر کلیفورڈ، آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

کوئی جواب نہ ملا۔ کلیفورڈ اسی طرح نڈھال پڑا رہا۔

مسز بولٹن کو ڈر لگنے لگا کہیں فالج کا دورہ تو نہیں پڑ گیا، اس نے سوچا اور کلیفورڈ کی نبض دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا مسٹر کلیفورڈ! درد تو نہیں ہو رہا ہے؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

لیکن اس بار بھی کوئی جواب نہ ملا۔

"میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" مسز بولٹن زور سے بڑبڑائی اور کمرے سے باہر نکلنے کے لیے آگے بڑھی۔

وہ دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ کلیفورڈ کی کمزور لیکن واضح آواز سنائی دی،

"نہیں، ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن کیوں، آپ اپنا چہرہ تو دیکھیے۔ کتنا پیلا پڑ گیا ہے۔ آپ کو یکایک کیا ہو گیا تھا؟"

"کچھ نہیں، تم پریشان مت ہونا۔ بس یونہی ذرا طبیعت گھبرانے لگی تھی۔"

"لیکن کوئی بات تو ہوگی؟"

کلیفورڈ نے محسوس کیا کہ اب وہ زیادہ دیر تک اپنے دل کے کرب کو چھپا کر نہ رکھ سکے گا۔ "کوئی واپس نہیں آئے گی" اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"آپ کا مطلب ہے، لیڈی چیٹرلی کو لوٹنے میں کچھ دیر ہو جائے گی؟" مسز بولٹن نے جھجک کر پوچھا۔ وہ اصل بات سمجھ گئی تھی۔ لیکن اس نے کلیفورڈ کو دلاسا دینے کے لیے بننا کچھ ضروری سمجھا۔

"یہ خط پڑھ لو" کلیفورڈ نے اسے لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں آپ کا اور اُن کا خط کیسے پڑھوں ... میرا مطلب ..." مسز بولٹن نے ہچکچانے کا بہانہ کیا۔

"اسے پڑھو" کلیفورڈ مسز بولٹن کی جھجک سے کچھ اکتا گیا تھا۔

مسز بولٹن نے کرسی میں پڑے ہوئے بے بس کلیفورڈ کی ادھ موندی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ خط پڑھنے لگی۔

خط پڑھنے کے بعد اسے کلیفورڈ پر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔ وہ جانتی تھی کہ کلیفورڈ اس وقت کیسی پریشانی سے گزر رہا ہے "لیکن اس بارے میں اتنی ہائے ہائے کی کیا ضرورت ہے،" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "کیا اسے پتہ نہیں تھا کہ ایک نہ ایک دن ایسا ہوگا؟ پھر بجائے اس کے کہ یہ اپنے آپ کو اس ناگہانی صورتِ حال کیلئے تیار کرتا، اب بدحواسی کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔ یہ مرد بھی کیسے نکھٹو ہوتے ہیں"

لیکن پھر اسے کرسی میں پڑے ہوئے مفلوج آدمی پر رحم آگیا۔ وہ نرس تھی اور ذہنی یا جسمانی تکلیف کے اتار چڑھاؤ کو سمجھتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے محسوس کیا کہ اس کا فرض کلیفورڈ کی ڈھارس بندھانا ہے، ٹھیس پہنچانا نہیں۔

لیکن کلیفورڈ کو بچوں کی طرح بہلایا تو نہیں جا سکتا تھا۔ اس کا غم ہلکا کرنے کی

تدبیر یہ تھی کہ اس کی ساری گھٹن آنسوؤں کے راستے بہہ جائے۔

سرکلیفورڈ کو رلانے کے لیے مسز بولٹن نے عورتوں والا مجرب نسخہ آزمایا وہ یکایک اپنے چہرے کو ہتھیلیوں سے ڈھک کر سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں سن کر کلیفورڈ کے اپنے ٹانکے بھی ٹوٹ گئے۔ اس سے رہا نہ گیا۔ کوئی کے قریب کی ضرررساں توہین اس کے سینے میں امڈنے لگی وہ بھی رو پڑا۔

مسز بولٹن یہی چاہتی تھی۔ سرکلیفورڈ کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہی وہ اپنا رونا بھول گئی اور کلیفورڈ کو دلاسا دینے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن کلیفورڈ کے صبر کا بند آنسوؤں کی باڑھ میں ڈوب گیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جب مسز بولٹن نے اپنا ہاتھ کرسی پر رکھا تو اس کی ہتھیلی کلیفورڈ کے آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اس نے اپنی بانہہ بڑھا کر کلیفورڈ کو سہارا دینا چاہا تو کلیفورڈ نے مسز بولٹن کے سینے پر سر رکھ دیا۔ یکایک اس کی ہچکیاں اور تیز ہوگئیں۔ مسز بولٹن کا ایپرن بھیگنے لگا۔

ایک طرح سے مسز بولٹن اب تک سنبھل چکی تھی۔ کلیفورڈ کو اس طرح بدحواس دیکھ کر اس میں نرس کی ادائیگی فرض اور نوکری کی مالک نوازی، دونوں جذبے جاگ اٹھے تھے۔

جب کلیفورڈ کی سسکیاں کسی طرح بند نہ ہوئیں تو ہار کر مسز بولٹن نے کلیفورڈ کو تسلی دیتے دیتے اسے بانہوں میں پکڑ کر چوم لیا۔ کلیفورڈ نے کچھ نہیں کہا۔ اسی طرح ایک بچے کی طرح، مسز بولٹن کی بانہوں میں بے سدھ پڑا رہا۔

اس کے بعد تو کلیفورڈ پوری طرح مسز بولٹن پر ہی تکیہ کرنے لگا۔ وہ اکثر اس کا ہاتھ پکڑ لیتا، اس کے سینے پر سر ٹکا دیتا اور بڑبڑانے لگتا، "مجھے چومو، چومو" مسز بولٹن کو پہلے پہل تو یہ سب بڑا مضحکہ خیز سا معلوم ہوتا، لیکن پھر اسے کلیفورڈ پر ترس آجاتا۔

مسز بوتش اس صورتِ حال سے مطمئن تھی اور ناراض بھی۔ جب کلیفورڈ شام کو یا دوپہر میں اچانک کسی شریر لڑکے کی طرح اس کے کندھوں پر سر رکھ کر اس کے پستانوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتا تو اسے سنسنی خیز شرم محسوس ہوتی۔ وہ اسے روکنا چاہتی، لیکن روک نہ پاتی۔ بعد میں اسے شرمندگی بھی ہوتی۔ لیکن مجموعی طور پر وہ اس صورت میں اپنے آپ کو فخرمند بھی محسوس کر رہی تھی۔ کہاں ایک ادنیٰ نرس اور کہاں ایک اتنی بڑی جائداد کا کوتوال مالک سر کلیفورڈ! وہ جانتی تھی کہ کلیفورڈ اب پوری طرح اس پر تکیہ کرنے لگا ہے۔ اس کے لیے اعلیٰ طبقے کے ایک مالدار مرد کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل کر لینا، فخر کے سوا اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

کونی کے بارے میں کلیفورڈ کا رویہ عجیب تھا۔ یہ خوبی سمجھتے ہوئے بھی کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کونی کم از کم ایک بار رگبی آ کر اس سے ضرور ملے۔ مسز بوتش نے بہت سمجھایا، لیکن اس بارے میں وہ کسی سے مَس ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔

آخر جب اس نے کونی کو اس بارے میں دو تین خط لگاتار لکھے تو کونی نے ہلڈا سے مشورہ کیا۔ ہلڈا جانتا تھا کہ کلیفورڈ اڑ گیا تو طلاق میں پہلے ہی رکاوٹ نہ ڈالنے پائے، مصیبت تو ضرور کھڑی کر دے گا۔ یہی سوچ کر کونی نے بھی ایک بار رگبی ہو آنا ٹھیک ہی سمجھا۔ وہ اور ہلڈا دونوں رگبی ہال پہنچے۔ حویلی میں داخل ہوتے وقت کونی کے جسم میں نفرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ اندر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن مجبور تھی۔

ڈنر تک انہیں مسز بوتش کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ ڈنر ٹیبل پر دونوں بہنوں کی کلیفورڈ سے ملاقات ہوئی۔ کھانے کے دوران سب اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اصل موضوع پر کوئی نہیں آنا چاہتا تھا۔ جب سب کافی پی چکے تو مسز بوتش اور ہلڈا بہانہ بنا کر باہر چلے گئے۔ اب کمرے میں صرف کلیفورڈ اور کونی تھے۔

تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہے۔ کوآئی اپنے ناخنوں کی جانب دیکھ رہی تھی کہ کلیفورڈ نے بات شروع کی، "تم نے تو لوٹ آنے کا وعدہ کیا تھا؟"

"ایسی باتوں سے کیا فائدہ؟" کوآئی نے اسی طرح ناخنوں پر نظر گاڑے ہوئے کہا۔

کلیفورڈ غصہ سے لال ہوگیا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ منت سماجت کے سوا کچھ اور کرنا اس کے بس کے باہر ہے، اس لئے بولا، "تم لوٹنا کیوں چاہتی ہو؟"

"پیار کی وجہ سے۔"

"پیار؟ اس ڈکمن کا پیار؟ تم اب ایرے غیرے مردوں سے پیار کروگی! تم پہلے تو کبھی ایسی نہیں تھیں!"

"وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، بدل جاتا ہوگا۔ لیکن میں تو نہیں بدلا۔ پھر میں تمہیں طلاق کیوں دوں؟"

"کیونکہ اب ہم دونوں کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔"

"باقی۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟، جہاں تک میرا تعلق ہے، میں جیسے کا ویسا ہوں۔ تم میری بیوی ہو اس لیے اگر تم سو خون بھی کر آؤ تو میں تمہیں بے شک معاف کرسکتا ہوں۔ تم نہیں جانتیں، تم میرے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہو۔ کوآئی شاید تمہیں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ کوآئی ایسا مت کرو۔ تمہارے چلے جانے سے میرا سب کچھ تہس نہس ہوجائیگا... سب کچھ۔"

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کوآئی نے کہا "میں مجبور ہوں۔ اب ہم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم الگ ہوجائیں۔"

"لیکن تم یہاں سے کیوں چلی جانا چاہتی ہو؟"

"کیونکہ میں اس آدمی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں جو... جو میرے ہونے والے بچے کا باپ ہے۔"

"اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ کون ہے؟"

"بلآرز!" کوری کے منہ سے اچانک ہی نکل گیا۔

کلیفورڈ ایسے چونکا جیسے کمرے میں کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک ٹکٹکی باندھے ساکت کوری کو گھورتا رہا، پھر اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔ "لیکن ابھی ابھی تو تم ڈنکن کا نام لے رہی تھیں۔"

"صرف تمہاری طبقاتی برتری کے احساس کو ٹھیس نہ پہنچانے کے لیے۔"

کلیفورڈ غصے سے اُبل رہا تھا۔ "تمہیں ... تم جیسی عورتوں کو گولی مار دینا چاہیے۔" اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا تھا۔ "اور اب تم مجھے بتاؤ گی کہ تمہارے پیٹ میں بچہ بھی اُسی کا ہے۔"

"ہاں۔"

"اور تم اس سے شادی کرو گی؟"

"ہاں۔"

کلیفورڈ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"میری مرضی!" اور اس جواب سے کوری کو پریشان دیکھ کر کلیفورڈ کو اندرونی طور پر کچھ تسلی ہوئی۔ اندر ہی اندر اب تک وہ اپنی بے بسی کو سمجھ کر ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ کوری اور بلآرز جیسے لوگ ہی اس دنیا میں پھیلی ہوئی برائیوں کے ذمہ دار ہیں اور وہ مجسم نیکی اور شرافت ہے، سراپا عفو و درگذر ہے۔

کوری جان گئی کہ بات آگے بڑھانا بے کار ہے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر لیٹ کر میں چلی گئی۔ بلآرز نے اس کا چہرہ دیکھ کر ہی سب کچھ بھانپ لیا۔ "کل یہاں سے چلی جاؤ گی؟"

ہلڈا نے کوتی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

لندن پہنچ کر کوتی نے ہلڈا کے ساتھ اسکاٹ لینڈ جانے کا فیصلہ کیا۔ ملارز لندن کے قریب ہی ایک اور گاؤں میں چلا گیا اور کسی فارم پر نوکری کرنے لگا۔ دراصل دونوں ہی طلاق کی کارروائی مکمل ہونے تک علیحدہ رہنا چاہتے تھے تاکہ خواہ مخواہ کسی کو شک نہ ہو۔ ویسے بھی ملارز کا آئندہ ایک چھوٹا سا فارم کھولنے کا خیال تھا۔ لیکن دونوں کو بہار کے موسم تک بچے کا انتظار کرنا تھا۔

۲۲

دی گرینج فارم

اولڈ ہیتھر

۱۹ ستمبر

اپنے ایک انجینیر دوست کی وجہ سے مجھے اس فارم پر نوکری مل گئی ہے۔ ہر ہفتہ تین شلنگ تنخواہ ملے گی۔

فارم کا انچارج مجھے ہر قسم کے کام سونپ دیتا ہے تاکہ میں فارم کے بارے میں ساری باتیں جلد سے جلد سیکھ کر اپنے طور پر فارم چلا سکوں۔

برتھا کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ میرے خلاف اس نے جو دعویٰ دائر کیا تھا اس کی پیشی حال ہی میں ہوئی تھی۔ اس دن وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں، وہ کیا چاہتی ہے؟ تمہارے اور کلفورڈ کے بارے میں تازہ خبر کیا ہے؟ اگر کوئی خاص بات ہو تو لکھنا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس وقت تک وہ بھی سارے حالات سمجھ چکا ہوگا اور خود ہی جلد سے جلد چھٹکارا پا لینا چاہتا ہوگا۔

یہاں ایک جگہ پینگ گیسٹ بن کر رہتا ہوں، کھیتی باڑی کا کام کوئی خاص دلچسپ تو نہیں ہے، لیکن پھر بھی کبھی کبھی بڑا مزہ آتا ہے۔

چاروں طرف دیکھتا ہوں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ دنیا واقعی تیزی سے بدل رہی ہے۔ پیسے کی دوڑ بہت تیز ہوگئی ہے۔ سب ہی لوگ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ عورتیں تو گویا پاگل ہی ہوگئی ہیں۔ کوئی نہیں سمجھتا کہ اچھی زندگی اور فضول خرچی کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کے سوا مستقبل کا سامنا کرنے کی اور کوئی گارنٹی نہیں ہے، جو آدمی کو بھوک اور افلاس سے بچا سکے۔

اس لیئے اب صرف ایک چیز کے سوا باقی ساری چیزوں پر سے میرا بھروسہ ختم ہوگیا ہے۔ اور وہ ایک چیز ہے ... آگ! میرے اور تمہارے درمیان دھیمی دھیمی، نیلی آنچ دیتی ہوئیں رنگین ریشمی لپٹیں!

شاید اس لیئے میں آج کل تمہارے اور اپنے بارے میں زیادہ نہیں سوچ پاتا۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے تناؤ بڑھتا ہی ہے — گھٹتا نہیں، لیکن پھر بھی جب کبھی دھوپ میں تپتے ہوئے تمہارے گلابی جسم کی حرارت میری نسوں میں ہلچل کرنے لگتی ہے تو آنے والی سردیوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتا ہوں — شاید اس وقت تک میرے اور تمہارے درمیان کی خلیج پٹ جائے گی۔

یہ بکواس تمہیں کچھ عجیب سے لگتی ہو گی۔ ٹھیک بھی ہے۔ کیونکہ، اگر میں تمہیں اپنی باہوں میں جکڑ کر سو سکتا تو اتنے الفاظ لکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جلد ہی ملیں گے۔ تم کلیفورڈ کے بارے میں سوچ سوچ کر فضول اپنے کو پریشان مت کرنا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا اور اگر کچھ ہوا بھی تو دیکھ لیں گے۔

اچھا، باقی سب ٹھیک ہے۔ پیار!"

O

لیڈی چیٹرلی کا عاشق

- جنگل کے ایک معمولی رکھوالے اور اعلیٰ طبقے کی ایک مہذب عورت کی وابستگی کا چونکا دینے والا فسانہ
- جس نے اونچے طبقے کی مروجہ نام نہاد اونچی اخلاقی قدروں کی بنیادیں ہلا دیں
- جس پر فحاشی کا مقدمہ چلا لیکن جس کی کثیر تائید و حمایت نے احتساب کی بیڑیاں توڑ دیں

پارس پبلی کیشنز، حیدرآباد، انڈیا۔